Kitab Kar

1490

من ز دل تنگ و دل ز من تنگ است
صحبت با چو شیشہ و سنگ است

لالہ زار

از

محترمہ محمودہ صاحبہ رضویہ

مرتبہ

آصف جاہ کاروانی ایم اے

سنہ ۱۹۴۲ء

بار اول

قیمت ایک روپیہ

انتساب

"غارتگر" شہر خموشاں کے نام

جس نے

میری "جنّت" کو

حشر تک کے لئے نگل لیا

پیش نامہ

انسان کا خود غرض ہونا کوئی ایسی بات نہیں جس پر چنداں تعجب کیا جائے۔ میں بھی انسان ہوں اور وصفِ مذکور سے معمور۔ ادیبہ محترمہ محمودہ رضویہ صاحبہ کے چند ادبی مضامین کا مجموعہ بصورت "دردانہ" ابھی شائع کیا ہی تھا کہ قبولِ خاص و عام کی بوچھار شروع ہو گئی۔ زمانہ نے پورے طور سے قدر کی۔ قابل مصنفہ کی قابلیت لیاقت، بلند پروازی، پاکیزہ بیانی اور پختہ و شستہ زبانی کو سراہنے کے ساتھ ساتھ نقادوں نے مجھ ہیچمداں کو بھی ادب پروری کا تمغا عطا کیا۔ میری خود غرضی (جو کہ پہلے ہی کچھ کم نہ تھی) میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ میں نے محترمہ کے دیگر ادبی مضامین کو بصورت "لالہ زار" شائع کرنے کا تہیہ کر لیا

محترمہ مصنفہ کی ادبی خصوصیات کا ذکر کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ ان کا کم و بیش تعارف، ناظرین کی واقفیت

کے لئے قلمبند کر دیا جائے

محترمہ موصوفہ کراچی کے وطن دوست، ادب پرور اور اعلیٰ علمی مذاق رکھنے والے رضوی خاندان کی نورِ نظر ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار حافظ شریف حسین صاحب رضوی نہایت ہی اعلیٰ پایہ کے خوشگو و خوش نویس اور عالم و ادیب ہیں اور اپنی دیگر مصروفیات کے باوجود ادب پروری کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکال ہی لیتے ہیں آپ کے برادرِ عزیز جناب اقبال حسین صاحب رضوی بمبئی یونیورسٹی کے ایم۔اے ہیں اور اس وقت علامہ اقبال پر پی ایچ ڈی کے لئے تحقیقاتی کام کر رہے ہیں۔ رضوی خاندان کے دیگر افراد بھی اپنے اپنے طور پر اُردو علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں

مصنفہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اُن کے والد کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ دینیات اور کتب فارسی پر مولوی حبیب احمد اُفق کاظمی امروہوی سے عبور حاصل کیا۔ بعد ازاں بمبئی یونیورسٹی کا میٹرک درجۂ اول میں رہ کر پاس کیا اور ڈی جے سندھ کالج کراچی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہو گئیں۔ مصنفہ سے میری ملاقات کالج ہی میں درس و تدریس کے سلسلے میں ہوئی۔ اُن کے اعلیٰ کردار، لطیف و پاکیزہ جذبات اور قابلِ قدر و ستایش لیاقت

نے مجھ ایسے بیدل و بے میکانی انسان پر ایسا اثر ڈالا کہ میں ان کے ادبی مقالے کتابی صورت میں پبلک کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا۔

مقالہ نویسی و افسانہ نگاری میں محترمہ محمودؔ کو حضرت نیاز فتحپوری ایسے باکمال دوربین ترقی پسند اور عدیم النظیر ادیب سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ "دردانہ" پر تنقید فرماتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ "خیالات کی پاکیزگی اور بیان کی لطافت سے پتا چلتا ہے کہ محمودہ اس (مقالہ نویسی) سے بہتر زبان کی خدمت انجام دے سکتی ہیں"۔ ادبی مقالات کے علاوہ مصنفہ نے بہت سے مذہبی اور معاشرتی افسانے بھی لکھے ہیں جن کا مجموعہ بصورت "تحفۂ سندھ" زیرِ طباعت ہے

ادبی مقالے کی کامیابی اور مقبولیت کا دارومدار تین چیزوں پر ہوتا ہے۔ جذباتِ انسانی کی صحیح مصوری، اُمید افزا سوز اور موزونئ زبان۔ جو مقالہ ان اوصافِ ثلاثہ سے آراستہ ہو وہ ناخن بہ جگر کا کام دیتا ہے اور اُس کا اثر بجلی کی طرح دل میں دوڑ جاتا ہے

"لالہ زار" کے مقالات جذباتِ انسانی کی جیتی جاگتی

تصویریں ہیں۔ ہر مقالہ زندگی کے کسی ایک پہلو کا پرتو ہے۔ صرف یہی نہیں۔ ان مقالات میں ایک ایسی جاذبیت بھی موجود ہے جس کا علمی یا تنقیدی مقالات میں فقدان ہوتا ہے۔ یہ موضوعیت کا عنصر ہے اور جس قدر یہ عنصر زیادہ ہوگا اسی قدر یہ جاذبیت جادو اثر ہوگی۔ معصوم مصنفہ نے ہر موضوع کو اپنے جذبات کے رنگ میں رنگ دیا ہے اور ہر عنوان کے تحت میں اپنی جذباتی دنیا کا کوئی نہ کوئی پہلو پیش کیا ہے۔ ان مقالات کو مجموعی طور پر دیکھنے سے مصنفہ کی جذباتی دنیا کا مکمل نقشہ پڑھنے والے کے سامنے آجاتا ہے اور معصومیت جو کہ اُن کی جذباتی دنیا کا جوہر اصلی ہے اسے کم سے کم چند لمحات کے لئے خود بینی اور خود غرضی کی جکڑ بندیوں سے نکال کر اشرف المخلوق کہلانے کا مستحق بنا دیتی ہے۔ انسان کالے کوسوں دور بیٹھا ان مصورہ جذباتِ انسانی کے حضور سے اپنا دامن مقصود بھر سکتا ہے کیونکہ ہر مقالہ بہ آواز بلند کہہ رہا ہے ؎

بلبل از گُل بگزرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
درسخن پنہاں شدم مانندِ بو در برگِ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں نے انھیں اپنے اصلی روپ میں اُن کی قلمی مصوّری میں دیکھا۔ ہر مقالہ ادیبۂ محترمہ کے معصوم جذبات کی انوکھی تصویر ہے۔ حسّاس دل سے نکلے ہوئے بھولے بھالے جذبات موتیا کی مدر و مطہّر خوشبو کی طرح اہلِ ذوق کے دل و دماغ کو مست و مرتعش کر دیتے ہیں اور وہ اس عالمِ سفلی کی قید سے نجات پا کر عالم علوی کی روح پرور فضا میں پرواز کرنے لگتا ہے۔ اپنی تاریک و ملوّث دنیا کو بھول کر مصوّرہ کی منوّر و معصوم دنیا میں محو ہو جاتا ہے اور ایسے ایسے نظارے دیکھتا ہے جو باوجود اسکی ساخت میں داخل ہونے کے اُسکی آنکھوں سے بالکل اوجھل تھے

ادیبۂ محترمہ کو میں نے "مصورۂ معنوی" کے نام سے یاد کیا ہے۔ مصور صوری اور مصور معنوی میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مصوّر صوری کسی چیز کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد اُس کی صحیح تصویر کھینچ لے لیکن مصوّر معنوی صورتوں کی تصویریں نہیں لیتا بلکہ جذبات کی اور یہ جذبات مستعار نہیں ہوتے بلکہ

اُس کے ذاتی اور شخصی ہوتے ہیں۔ جب قدران کو صحت کے ساتھ قلمبند کیا جائے اسیقدر ان میں تاثیر کا اضافہ ہوتا ہے۔ "لالہ زار" کا ہر مقالہ اِس امر کی شہادت دیتا ہے کہ مصنفہ اس میدان میں ید بیضا رکھتی ہیں

محترمہ محمودہ صاحبہ ازل ہی سے دردمند دل لے کر آئی تھیں۔ لالہ زار کا ہر مقالہ گُل لالہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں سُرخی اور تازگی بھی ہے اور سینہ میں داغِ سیاہ بھی۔ ہر شاہکار سوز و گداز کی انوکھی تصویر ہے اور پڑھنے والے کے دل پر تیر و نشتر کا کام دیتا ہے۔ اِن مقالات کو پڑھ کر انسان کا دل تڑپ تو ضرور اُٹھتا ہے لیکن یہ تڑپ پروانہ کی تڑپ نہیں ہوتی بلکہ شمع کی اور پڑھنے والا بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے ؎

پروانہ نیستم کہ بیک دم عدم شوم
شمعم کہ جاں گدازم و دم بر نیاورم

اک آرزوئے ناتمام کو جلا کر خاکستر کر دینے کے بعد گُل ہونے کے بجائے اور آرزوؤں کو جلتا دیکھنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے

ز

جذباتِ انسانی کی صحیح ترجمانی اور سوز و گداز کی چاشنی کے علاوہ "لالہ زار" کا ہر مرقع تصویری خوبیوں سے بھی بدرجۂ اتم آراستہ و پیراستہ ہے۔ الفاظ کی موزونی ترکیبوں کی چُستی۔ استعاروں اور تشبیہوں کی تازگی، زبان کی روانی اور پختگی اور ادائیگی کے بھولے پن نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔ مقالے کیا ہیں؟ متلاطم سندھو کی تلاطم خیز لہریں ہیں جو نشیب و فراز۔ دشت و کوہ کی پروا کئے بغیر بیساختہ بہی چلی جاتی ہوں۔ اُن کے اکثر مقالوں میں ایک خاص کیفیت ہے جو سحر یا طلسم سے تعبیر کی جاسکتی ہے اور جو تمام زبانوں کی حقیقی اور سچی ادبیت کا طُغرائے امتیاز ہے

سندھ ایسے اُردو سے نا آشنا خطہ میں ایسی دُرِ نادرہ کی پیدائش اور موجودگی اگر معجزہ نہیں تو اعجوبۂ روزگار ضرور ہے اہل سندھ ان کی قابلیت۔ ذہانت۔ ذکاوت۔ فراست۔ ادب پروری انسانی جذبات کی مصوری و ترجمانی پر جس قدر بھی فخر و ناز کریں بجا ہے

کاروانی

ڈی جے سندھ کالج کراچی
اگست ۱۹۴۲ء

فہرست مندرجات

جب تم نہیں!

بحرِ ناپیدا کنار کو ابر نیساں کی آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسو
دیکھ کر بے ثباتیٔ دہر کا تصور مجھے پژمردہ کر دیتا تھا
پر آہ مجھے معلوم نہ تھا کہ تمھارے مزارِ محبت پر میری
چشمِ گریاں بھی شفق گوں موتی لٹایا کرے گی
اور وہ دل۔ ہاں وہ دل! جو کبھی ایک پتھریلی چٹان
کی طرح مضبوط تھا۔ اُس ریتیلے ساحل کی طرح حسّاس اور از خود رفتہ
ہو جائے گا..... جسے سمندر کی بے قرار لہر پہلی ہی جنبش میں
مسمار کر دے
کیٹس کی محبوب عندلیب اب بھی اپنے شگفتہ راگ چھیڑتے
رہتی ہے لیکن مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ غم کی دیوی اپنے بربط
پر کوئی الم ناک گیت گا رہی ہے
جب سے فرشتۂ اجل تمھارے لطیف سائے کو لے کر
کائنات کی وسعتوں سے پرواز کر گیا مجھے تو بوڑھی دنیا کے چہرے کی
جھریاں اور بھی گہرائی اختیار کرتی معلوم دیتی ہیں

جب قضا و قدر کے جھونکے انتہائے بعید پر لفوذ کر کے
مجھے تمھارے قریب سے قریب تر کر دیں گے۔
اُس وقت! ہاں تب!! تمھارے قدموں کے نیچے اپنی
جنّت تلاش کرتے ہوئے کوئی طاقت مجھے یہ کہنے سے باز نہ رکھ سکے گی ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

وہ دِن!

وہ دِن! آہ وہ لمحات کیف انگیز!! جب خوشگوار خوابوں
کا سمندر خوشیوں کی چھینٹیں اُڑاتا اور مسرت کے جھاگ بہاتا آگے
بڑھا چلا آتا تھا۔ پرسشِ احوال میں اخلاص قلبی تیرتا اور مہر مادری
سے لبریز سانسیں نفس عیسیٰ بن کر روح کو مدہوش کئے ہوئے تھیں
تب کائنات اک ایسا وسیع ساز معلوم ہوتی تھی جس کا ہر
تار چنگ و رباب کے بے پایاں نغمے چھیڑے ہوئے ہو
اک ایسا ساز! جسے وقت کی خاردار سوئیاں اپنی
زہریلی زد پر لانے سے معذور ہوں۔

پر اب! آہ اب!! وہ نہ بھولنے والے لمحات کسی کانپتے ہوئے عکس کی طرح پردۂ دہر سے نہاں ہو چکے ہیں۔ خود غرض دنیا کے معانقے ہیں سرد مہری کی جھلک صاف طور پر نمایاں ہے اور پراگندہ خیالات ماضی کی طرف دوڑتے دوڑتے پریشان

فطرت کی گہری گہری سانسیں رباب شکستہ کے منتشر تار معلوم دیتی ہیں جو تشنۂ مضراب ہو کر رہ گئے ہوں

ایسے منتشر تار! جنھیں وقت کی تیز تیز سوئیوں نے چھید کر عہد کہن کی یادگار بنا دیا ہو

آفتاب کی زرد زرد شعاعوں کی طرح وہ دن اب رخصت ہو چکے ہیں۔ روح کسی افسردہ عندلیب کی طرح مغموم ہے اور تسخیر قدرت پر دم بخود

ازمنۂ ماضیہ!

شب کے گہرے دھندلکے میں جب دہر پر پردۂ تاریکی چھا جاتا ہے اور دن بھر کی ہنگامہ زائیاں اس طرح روپوش ہو جاتی ہیں جیسے کسی دیوانے کی چیخ فضا کی غیر محدود گہرائیوں میں غائب ہو جائے

تو میرا تخیل اک افسردہ سا منظر پیش کر دیتا ہے جہاں
ماضی کے گرد آلود آئینہ پر گزرے ہوئے لمحاتِ شیریں چکّر کاٹتے ہیں

ایسے وقت میں جب نیلا آسمان اوپر سے جھانکتا ہے
جیسے شاملِ حال ہو کر یادِ ایّام میں حصّہ لے اور کوئی ننھا سا پرند
اپنی غمگین راگنی سے کائنات پر آسیبی سکوت طاری کر دیتا ہے
تو مجھے زندگی اک ناقابلِ برداشت بوجھ معلوم ہوتی
ہے اور کائنات اک مردۂ صد سالہ کی طرح ساکت و جامد جس
میں شادابیٔ حیات کا رمق بھی باقی نہ رہا ہو

مجھے وہ لمحاتِ سرور یاد آتے ہیں جب زندگی اک
خوابِ شیریں تھی سہانا سہانا سا حسین سپنا! جو اب بھی تصورات
میں لہراتا اور تخیلات میں رقصاں ہے

شب کے سناٹے میں جب روحیں قبروں سے
نکل کر آنکھ مچولی کھیلتی ہیں اور فضاؤں میں بھوت ناچتے ہیں تو
مجھے اپنا وجود معبدِ ماضیہ کے مجذوب پجاری کا عکس دکھائی دیتا ہے
اور روحِ انساں کی ابر آلود چھاتی کی طرح محوِ گریہ!

ایسے وقت ازمنۂ ماضیہ کی یاد دل کو گرمانے لگتی ہے
جیسے آفتاب کی تمازت خیز شعاعیں صحرا پر آگ برسایا کرتی ہیں

مجھے ہوا کی سرسراہٹ میں کراہنے کی آواز آتی ہے
اور کائنات کی تنہائی پر کسی اندوہگیں حور کے آنسوؤں کا گمان
ہوتا ہے جو عشرتِ فانی پر نوحہ کناں ہو۔ ازمنۂ ماضیہ ! آہ !!
گزاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں   انھیں کی یاد میری زندگی ہے

جرسِ فنا

دور کسی اُجڑی ہوئی دیوار پر کوئی عمر رسیدہ اُلّو
اپنی ڈراؤنی آواز سے چیخ رہا ہے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت کے حسرت بھرے قافلے
ہیں جہاں ویرانی چیخیں مارتی ہے۔ برباد تمنائیں غبارِ رہگذار بن کر
چھائی ہوئی ہیں۔ اور! اور!! مٹتی ہوئی آرزوئیں اس طرح چکر
کاٹتی رہتی ہیں
جیسے سفید بادل روئی کے گالوں کی طرح اڑتے
پھرتے ہوں۔ وہاں! اس اداس اور ہوسِ ناتمام سے نمناک کاروان
میں موت کا خونخوار دیو اپنے کرخت اور آہنی ہاتھوں میں "جرسِ فنا"
تھامے ہوئے ہے اور زندگی کے سُہانے خوابوں کو پریشان کر دینے
والے بھیانک راگ نکال نکال کر دعوتِ شمولیت دے رہا ہے۔

یادِ ایّام

بادلوں کو ارغوانی رنگت دیتا ہوا آفتاب ندی کے دامن میں غروب ہو رہا ہے۔ پرشور لہروں نے اس کے خیر مقدم کیلئے نغمے شروع کر دیئے اور ابابیلوں کے جھنڈ قیام شب کے لئے آسمانی بلندیوں میں پنہاں ہوئے کو ہیں۔ اپنے نئے پیرہن میں ملبوس کائنات ایسی معلوم ہو رہی ہے جیسے کوئی حسین بنت البحر لب ساحل سیر کر رہی ہو

لیکن دلفریبیاں میرے لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں تصورات کے بے پناہ اور اتھاہ سمندر میں کھو کر دنیا کی ہر شے مجھے بے معنی نظر آتی ہے کیونکہ لذّتِ حیات سے ناآشنا دل بے چین اور مضمحل ہو کر رہ گیا ہے

دنیا ایک خواب کی تصویر کے مانند سہانی اور دلکش ہے پر اس کی تعبیر میرے لئے پریشان ہو چکی۔ ذرّہ ذرّہ مسرّت کے راگ الاپ رہا ہے لیکن یہ موسیقی میرے لئے اَلم ریز جھنجھناہٹ سے کم نہیں۔ نیلگوں آسمان میں ننھے ننھے ستارے ڈبڈبا رہے ہیں بالکل اسی طرح! جیسے میرے خیالات کے سایہ لرزاں ہیں۔ غیر مانوس فضا ہے اور متوحش ماحول!

اور .... اے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے والے دوست
تمہارے ساتھ گزاری ہوئی چند شیریں اور دلکش گھڑیوں کی یاد ہ

آرزوئیں نہ رہیں حسرت و ارماں نہ رہے
یعنی پہلو سے مرے وہ دلِ دیوانہ گیا
چھٹ گئے اور سب اندازِ جنوں تو لیکن
چپکے چپکے یہ مرا، روز کا رونا نہ گیا

جستجو

آنسوؤں سی گیلی اور اُداس رات تھی۔ کائنات اک عالمِ خوابیدہ میں انگڑائیاں لے رہی تھی اور اٹھائیسویں رات کا زرد چاند، افسردہ نگاہوں سے زمین کو تک رہا تھا
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نامعلوم شے کی جستجو اُسے پریشان کئے ہوئے ہے
سیلِ حُسن! کون سا خوابِ پریشاں تیرے جلوے کی عکاسیوں کو محدود کر رہا ہے
سوزانِ شمع پر ہجوم پروانہ تصدق ہو رہا تھا۔ ننھے ننھے جانبازوں کا یہ کارواں اک خرامِ ناز سے آگے بڑھتا اور

ٹوٹتے ہوئے پر اور جلی ہوئی راکھ "یادگارِ محفل" چھوڑ کر غائب از چشم ہو جاتا
جیسے کسی غیر فانی روشنی کی تلاش میں پرواز کناں ہو
خوبصورت پروانو! لپکتے ہوئے شعلوں میں تمھیں کون سے
ملکوتی عکس کی تلاش ہے؟

ہوا کے سرد جھونکوں میں دھیمی دھیمی سرسراہٹ ہو رہی تھی۔
جیسے کسی اُجاڑ گلشن میں عندلیب دل گرفتہ محوِ نالہ ہو۔ کبھی تو ان کی جنبش
کسی بے معنی چکر کاٹتے ہوئے دیوانے کی سی جنوں انگیزی سے معمور
ہوتی اور کبھی کسی جذبۂ یافت سے بھرپور
اللہ! غیر مرئی اشیاء بھی تو کسی جستجو میں بے چین اور خانماں برباد ہیں

سعیِ ناکام

اس سے بڑھ کر خوش آیند خواب ایک پہاڑی ندی کے لئے
کیا ہو سکتا ہے جب وہ پُرخار راہ اور پتھریلے چٹان ایک اُمیدِ موہوم پر
طے کرتی ہے۔ آندھی کی سی رفتار سے اس آرزو میں بڑھتی جاتی ہے
کہ وہ اپنے مطلوب تک پہنچ کر ان صعوبتوں کو بھول کر ایک سرمدی راگ
میں کھو کر رہ جائے

لیکن کیسا دلکش ہے وہ وقت! جب کوئی سنگلاخ تودہ

اُس کی راہ میں اٹک کر رہ جاتا ہے۔ اُس کے خوشگوار خوابوں کی جنت برباد ہو جاتی ہے اور منزلِ مقصود سے بھٹکی ہوئی ندی وہیں سر ٹپک ٹپک کر فنا ہو جاتی ہے

محفلِ انجم سے بڑھ کر کون سا اجتماع قابلِ دید ہوتا ہے جہاں لمبی لمبی راتوں کو دنیا اور اُس سے وابستہ ہستیوں کے افسانے دُہرائے جاتے ہیں اور اک حالتِ استعجاب اُنھیں اُس وقت تک کے لئے گنگ کر دیتی ہے جب فجر کی سنہری کرن کائنات کا بسیط پردہ ہٹ کر کسی نئے راز کا انکشاف کرائے

لیکن آہ! کیسا دردناک انجام ہوتا ہے ان معصومانہ خواہشوں کا جنھیں یہی شعاع اولیں مرہونِ حسرت کر دیتی ہے۔ اور آسمانی جھیل میں نہاں ہو جانے کا پیام سنا کر ان کے ننھے ننھے قلوب کو دریائے الم ڈبو دیتی ہے

نسیم سحر کے جھونکوں سے بیدار شدہ کلی سے زیادہ کون مسرور ہو سکتا ہے جبکہ طائران خوش الحان دلی جوش و خروش سے خیر مقدم کرتے دکھائی دیتے ہیں اور حسین تتلیاں اپنے پروں کی سرسراہٹ سے رفاقت کا احساس دلاتی ہیں

پر آہ! کیسا حادثہ فاجعہ ہے یہ۔ جب دستِ گلچین

سوت کی سرد اُنگلی بن کر آگے بڑھتا ہے۔ بیچاری کلی کی خوشگوار اُمنگیں سرنگوں ہو کر رہ جاتی ہیں اور اُس کے تصورات جمیل پائمال۔

مجھے نہیں معلوم؟

مجھے نہیں معلوم؟ کوئی غیر مبہم سی خلش مجھے بیقرار کیوں
کر رہی ہے؟ کوئی بے پایاں انتشار میری روح پر کس لئے چھا رہا ہے
جب فضا پر دُھندلی دُھندلی پرچھائیاں منڈلاتی ہیں
اور پتوں سے اُلجھ اُلجھ کر ہوا آہ و بکا کرتی ہے
تو نہ معلوم کیوں؟ میرے تخیلات پر تاریکیوں کا
گہرا گہرا پردہ پڑ جاتا ہے
یا جب برفانی چوٹیاں سہ پہر کے نیلے آسمان تلے
جگمگاتی ہیں اور روپہلی و قرمزی بادل دوشِ ہوا پر تیرتے ہیں
تو میری دنیائے تصور میں اک غیر معمولی سا ارتعاش
پیدا ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح! جیسے ننھی ننھی بوندیں تالاب میں لہریں
بنایا کرتی ہیں۔ کائنات کے پھیلے ہوئے دائروں کی خلا مجھے
متوحش کر دیتی ہے
اور دم توڑتے ہوئے دن کا منظر۔ آرزو ہائے

شکستہ کا حصار سل مینے کھینچ دیتا ہے

خاموش فضا۔ ویران چٹانوں اور شب دیجور کی
سیاہی کے ساتھ ساتھ متبسّم نغمے۔ چاندنی کی لہریں اور رقصاں
پتّے بھی مجھے اُداس کئے دیتے ہیں

اے جویائے راز! مجھے نہیں معلوم! احساسات کے
بہتے ہوئے سمندر میں تجھے کون سی باریکیوں کی تلاش ہے!!

کاتب تقدیر

زندگی کسی لق و دق صحرا کی طرح گزر رہی ہے بے
برگ وگیاہ اُجاڑ گلشن کی طرح! جس کے حسرت وارماں کی ایک
ایک پتّی فطرت کی چنچل پری نے نوچ کر رکھ دی ہو

وقت کبھی سبک رفتار فاختہ کی طرح محو پرواز ہے
سورج کی تھرتھراتی تیز شعاعیں پہاڑیوں کی بلند چوٹیوں پر پڑتی
ہیں اور اُن کی نشیبی گہرائیوں میں شب بھر کے لئے غائب ہو جاتی ہیں

موسم خزاں کی اُداس شام اپنی جگہ بہار
کی کیف آفریں صباح کو دے دیتی ہے

پر لذّتِ حیات سے ناآشنا زندگی۔ تقدیر کے

اُفق پر اپنا ساحل تلاش کر رہی ہے اور بے ضرر آرزوؤں کی اُجڑتی ہوئی کھیتی لہلہانے کے لئے بے قرار

ایک حزن آلود سیاہی روح کے اُفق پر اس طرح مسلّط ہے جیسے فضائے آسمان پر ٹِڈی بادلوں کی اُمنڈتی ہوئی فوجیں

کاتبِ تقدیر بڑے تشدّد و مد سے کتابِ حیات پر کر رہا ہے۔ تھکی تھکی نظریں اُس کی جنبشِ قلم پر گڑی ہوئی ہیں اور کسی نئے ورق کے اُلٹنے کی آرزومند۔

کہاں ہے؟

کہاں ہے؟ وہ چھُپی ہوئی مسرت! وہ گمشدہ آرزو کہاں ہے؟ جس کی تلاش میرے قلب کی گہرائیوں کو ہر وقت بے قرار رکھتی ہے

آہ! کہاں ہے؟ وہ حقیقی خوشی جس کے بغیر کائنات کی بے پناہ وسعتیں سنسان نظر آتی ہیں

گُل پوش وادیوں کے کیف آفریں نظارے سرمدی نغمے الاپتے ہوئے حسین آبشار اور شمیم عطر بیز کی مستانہ خرام ناز میرے لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتی

اس لئے کہ مجھے جاودانی مسرت کی تلاش ہے
دنیا والوں کے پُرافسوں تبسم میں مجھے تلخیاں پنہاں نظر
آتی ہیں۔ ان کی دیباچہ (خواہشیں) ماتم وغم ہیں اور آرزوئیں مرہونِ حسرت
آہ! کہاں ہے؟ وہ حقیقی مسرت جسکے بغیر حیات
انسانی ایک مسلسل اور مضحکہ خیز قہقہہ بن کر رہ گئی ہے۔

دنیا

جسے تم دنیا کہتے ہو جس دنیا پر تم اس قدر نازاں ہو
وہ تو شیطان کی دائمی قیامگاہ ہے اور اُس کے گرم گرم زہریلے سانسوں
سے آلودہ

یا پھر دنیا نام ہے قوس قزح کے رنگوں کے اک
حسین کھلونے کا جسے اگر تم لپک کر پکڑنا چاہو تو فی الفور
ایک موذی افعی میں تبدیل ہو جائے گا

دنیا نام دیا گیا ہے اک شعبدہ باز حسین ساحرہ کو جسکے
سحر میں ایک مرتبہ مسحور ہو کر چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہے قطعی ناممکن

یا نہیں تو دنیا ایک شاہراہ ہے بیحد طویل و دہشتناک
شاہراہ جس کی دشوار گزار وادیوں اور مہیب و تردد کو

عبور کرنے سے تم معذور ہو اور مجبور محض
دنیا نام ہے ایک دلکش و مبہوت کن افسانہ کا جس کی ہر ایک سطر کو تم بھول جاؤ گے۔ وقت آنے پر ایک ایک لفظ کو صفحۂ دل سے محو کر دو گے
یا پھر دنیا نام دیا گیا ہے ایک عالی شان تھیٹر کو جس پہ دکھ سکھ، نیکی بدی، معصومیت معصیت اور خواب کے مناظر کی طرح پُراسرار پارٹ ادا کرنے کے لئے صانع قدرت نے منتخب کیا
دنیا ایک گلشن ہے۔ سر سبز و شاداب گلشن! جسے فنا کی خزاں آفریں ... لمحہ بھر میں تاخت و تاراج کر کے رکھ دیگی۔ زمانہ کی قہر آلود انگلیاں اُسکی پتی پتی کو خس و خاشاک میں ملا دینگی

تمھارے بغیر

ایسے وقت میں جب رات کی ساعتیں شعلہ بدامن اور ساکن ہوتی ہیں جیسے خاموشی نے اپنا دل خطۂ زمین پر بکھیر کر رکھ دیا ہو اور عالم رویا سے بھی وسیع کائنات پر پردۂ سیاہی چھا جاتا ہے
تمھاری یاد میرے پریشان دل کو اور بھی اُداس کر دیتی ہے
آسمانی بلندیوں پر موسیقی سے معمور ستارے چمکتے ہیں

اور میرے تصورات کی ڈھلوان چٹانیں بن بن کر بگڑتی ہیں
کیونکہ ماضی کی دھندلی روشنی میں مجھے تمہارے مقدس
وجود کی جھلک نظر آتی ہے
اس چمکیلی صبح کو بھی جب پہاڑی جھرنے سرمدی راگ
الاپتے ہیں سکون بخش و کیف آفریں راگ! اور سورج اپنے
آتشیں جھروکے سے مسکراتا ہوا نکلتا ہے
جیسے شادمانیٔ دہر پر اظہار مسرت کر رہا ہو
تو میری شکستہ روح پر یاس کے کوندے لپکنے لگتے ہیں
تخیل کی موجوں پر تیرتے ہوئے خیالات متلاطم ہو کر رہ
جاتے ہیں اور پانی کی سطح پر تیرتے ہوئے بلبلوں کی طرح سراب زدہ
تمہارے بغیر میرا وجود بے معنی شے ہے اور پریشاں
ہستی اک دیوانے کا خواب

افسانۂ حیات

سحر کے ملگجے دھندلے سمے میں۔ میں دریچہ کے آگے
بیٹھی افسانۂ حیات دہرا رہی ہوں
دور سے موسم گرما کے سمندر کی سُریلی آواز آ رہی ہے

اور سنہرے بادلوں کے ٹکڑے ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہیں
اسی طرح ! جیسے مختلف قسم کے خیالات میرے
اُفقِ دل پر لہرا رہے ہیں
گلاب کی پتیوں پر اوس کے ننھے ننھے قطرے لرزاں
ہیں اور میرا تصور طوفان کی طرح پُرشوکت۔ برق کے سے حسین
اور بہتے ہوئے جھرنوں جیسے سُہانے لمحات کی یاد دلا رہا ہے
سحر کے دھندلکے میں۔ میں اپنی شوریدہ
حیات کا افسانہ دُہرا رہی ہوں
کائنات کی ہر شے اک نغمۂ موسیقی میں لڑکھڑا رہی ہے
جیسے حیاتِ تازہ کی لہریں دوڑ رہی ہوں اور صنوبر کے درخت
ہلکی ہلکی جنبش میں میٹھے میٹھے راگ الاپتے ہیں
آمدِ سحر مجھے حیاتِ فانی کا بھولا بسرا افسانہ یاد دلا رہی ہے

زندگی

جسے تم زندگی کہتے ہو۔ جس زندگی پر تمھیں اس قدر ناز
ہے وہ تو فطرت کی پری کا ایک قہقہہ ہے۔ بعید طویل اور حقارت آمیز قہقہہ
زندگی ایک خواب ہے۔ ایسا سنہری خواب جو

شرمندۂ تعبیر ہونے سے بے نیاز ہو

یہ نہیں تو زندگی ایک بربط ہے جس سے صدہا مختلف صدائیں نکلتی ہیں کوئی پُر از سوز و ساز اور کوئی پُر از کیف و نشاط

یا زندگی ایک اسٹیج ہے جس پر وقت کا شریر دیوتا سینکڑوں ڈرامے دکھاتا ہے کوئی مہیب و دہشتناک اور کوئی پُر از عیش و نشاط

یا زندگی نام ہے انقلابات کے ایک مجموعہ کا جس کا ادنیٰ کرشمہ آشیاں کو آگ دینا ہے اور بلبل خوشنوا کو بہاریں اسیر قفس گلشن کر دینا

یا پھر زندگی نام دیا گیا ہے ایک ہیبتناک طلسم کو جس کے سحر کو گردش آفاق، کشاکش حیات اور گردش زمانہ جیسے خوفناک اژدہا بھی زائل کرنے سے معذور ہیں

یا نہیں تو زندگی نام ہے ایک طوفان کا جس کے بھنور سے نکلنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن اور ناممکن ہی نہیں بلکہ محیر العقول ہے

نظامِ کائنات

شہر خموشاں کی پُراسرار وادی، ہزاروں ہنگامہ خیز داستانوں اور مغموم نغموں سے پُر ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے کسی بھوت نے ارغنون فنا پر درد بھرا گیت چھیڑ دیا ہو، کیکر اور ببول

کے اُجاڑ کھنڈروں سے نکلتی ہوئی سرسراہٹ ماحول کو اور بھی دہشت
ناک بنا رہی تھی جیسے کوئی بھٹکی ہوئی روح بھولے بسرے خواب دہرا رہی ہو

یہاں کی گہرائیوں میں وہ ہستیاں خوابیدہ تھیں جو کبھی
کائنات کے سنہرے خوابوں پر چھا چکی تھیں ۔ تقدس مآب پردھیں
معصومیت کی زندہ تصویریں اور ناز آفریں مورتیں جنہیں شعلۂ جوالہ
زمین ابد تک کے لئے نگل چکی ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ کا سماں پیش کر رہی تھیں

کسی کونے میں چھپا ہوا جہاں دیدہ عقاب اور دفن شدہ
آرزوئیں ہمنوا ہو کر کہہ رہے تھے کہ یہی نظامِ کائنات ہے

خزاں کے خونچکاں بگولے کارواں در کارواں چکر
کاٹ رہے تھے ۔ اُجڑے ہوئے گلشن پر ایسی فضا طاری تھی جیسے کوئی
عمر خیام کی رباعیات پڑھتے پڑھتے یکلخت خاموش ہو جائے
ہم توڑتے ہوئے گلہائے ریحاں اور اُن کی پریشان پتیاں عالمِ مایوسی
میں لپٹی جا رہی تھیں ۔ اُن کے پیشِ نظر ایک ایسے زمانے کے
دستِ تطاول کا شکار عمارت تھی جس کی یادگار محض ٹوٹے ہوئے
کھنڈروں اور تودہ ہائے خاک سے رہ گئی ہو

عندلیب بنوا ایک دلخراش لہجے میں نظمِ جہاں کے اسباق
دُہرا رہی تھی ۔ اُس کے گیتوں سے ٹپکتا ہوا حزن اور چمن کی بدلتی

ہوئی فضا زبان حال سے ماتم کناں تھی کہ یہی نظام کائنات ہے

شب تاریک

ردائے عنبریں میں لپٹی لپٹائی کائنات شب کے سناٹے میں کچھ سوچ رہی ہے چاروں طرف اک سکوت چھا رہا ہے۔ لرزہ خیز سکوت۔ اور اک گہری گہری تاریکی دہر پر مسلط ہے جیسے چمکیلی آنکھوں میں اداسی چھا جایا کرتی ہے

دن بھر کے دور تسلسل سے گھبرا کر۔ میں ملکۂ خواب کے پھیلے ہوئے بازوؤں تک پہنچ جانا چاہتی ہوں۔ زندگی کی الجھنوں کو بھول جانے کے لئے اس کے دامن کا سہارا ڈھونڈتی ہوں

لیکن کوئی نامعلوم سا خوف مجھے متوحش کئے ہوئے ہے۔ اک پوشیدہ سی دہشت دل و دماغ پر اس طرح حاوی ہے جیسے نیلے سمندر پر برف کی ہلکی ہلکی تہہ جم رہی ہو

دنیا مجھے شیاطین کا مسکن نظر آتی ہے۔ جہاں گناہ! ہاں گناہ اک خوفناک اژدہے کی طرح پھنکارے مارتا ہے اور اس کے کار کنان روپہلی و چمکیلے لبادوں میں ملبوس دہر کے حکمراں بنے ہوئے ہیں

معصیت کا خوفناک دیو، ضیا گستر دیوتا بنا ہوا ہے اور
آز، مکاری و بے حجابی کی سیاہ فام چڑیلیں، فردوسی حوروں کے
روپ میں دلوں کو مسخر کرتی ہیں۔ میں اپنی نیم وا آنکھوں کو بھینچکر
بند کر لیتی ہوں اس ہولناک منظر سے اُکتا کر خوابوں کے خوشنما
جزیرے میں پہنچ جانا چاہتی ہوں اور روح وہاں کی جگمگاتی مقدس
روشنی میں آوارہ خرام ہونے کو بے قرار ہو جاتی ہے

اس اندھیری جھکی ہوئی رات کو جب کائنات
آہوں میں لپٹی ہوئی ہے اور صفحۂ آسمان پردۂ سحاب میں پنہاں
ایسے وقت میں سمندری جادوگرنی موجوں پر دف
بجا رہی ہے۔ تند ہوائیں بھوت اپنا بھیانک راگ الاپتے ہیں
اور اُلّو کی کپکپی طاری کر دینے والی چیخ میرے حواس معطل کئے دیتی ہے
مقدس داور! زمین کے سینے پر کون سا ماحول چھا گیا ہے
کہ کانپتی ہوئی فضا تاریکیوں میں تحلیل ہوئی جاتی ہے
محافظِ حقیقی! میری مضطر روح کی پکار ہوتی ہے
مجھے معصومیت کی جھیل تک پہنچا دے جو دامنِ اُفق میں پاکیزہ
درختوں کے سائے تلے جھلملایا کرتی ہے جہاں نیکیوں کا حصار
چھایا ہوا ہے اور طمانیت ہر سانس کی صدائے بازگشت ہے

اور میرے احساسات پر اُس وقت تک گُمشدگی طاری رہتی ہے
جب تک پہلی شعاعِ آفتاب نامعلوم طریقہ سے نمودار
نہ ہو جائے اور ظلمتِ شب کو درخشانیٔ صباح کافور نہیں کر دیتی

شارعِ حیات

کلال گردوں وقت کی سوئی کو تیزی سے گھما رہا ہے اسکی
سرسراہٹ فاختہ کے پروں جیسی سبک رفتار ہے اور برشگال کی وقتی
دھوپ جیسی ناپائیدار

لیکن دنیا کی شورش افگنی ہر قدم پر میرے لئے رکاوٹیں
پیدا کر رہی ہے۔ سفرِ حیات کی پہلی ہی منزل میں مجھے اُس کی
ہمہ گیری اور وسعتوں میں خلا نظر آتی ہے

کائنات فجر کی چمکیلی کرنوں میں اپنے خوابوں کی تعبیر
دیکھ رہی ہے۔ خوشیوں کے سائے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہے
ہیں اور ہر شئے پر اک مسلسل لرزش و کیف طاری ہے

لیکن میری سانس اس زہریلے ماحول میں گھُٹ کر
رہ گئی ہے اور مغموم روح، شارعِ حیات کی تلاش میں
یوسف بے کارواں کی طرح بھٹکتی پھرتی ہے

آفتاب کی رخصتی شعاع شاہ بلوط کے پیچھے سے جھانک رہی ہے جھلملاتی
ہوئی تتلیاں شب باشی کے لئے اپنے مسکنوں پر روانہ ہوگئیں اور
بانسری کی آخری لَے نے فضاؤں پر تھرتھراہٹ طاری کردی

آہ! وقت چشمک برق کی سی سُرعت سے گزر رہا ہے اور
میں اک گم کردہ منزل کی طرح مبہوت زیست کے چوراہے پر کھڑی ہوں

اللہ! حقیقی شارعِ حیات کہاں ہے؟ اس کا راز
رخصتِ وقت کے کون سے گجر سے حل ہوگا اور ریزے ریزے
ہوتی ہوئی روح سکونِ دائمی کب حاصل کرے گی

میرے لئے

یہ نہ پوچھو کہ برشگال کی اس پُرکیف و حسین شام کو
میں پژمردہ کس لئے ہوں - ابر سیاہ کے رقصاں ٹکڑے یاس کی
دیوی کے کھلونے کیوں نظر آتے ہیں اور درختوں سے آنکھ مچولی
کھیلنے والے جھونکوں کی لرزش آفرینی کہاں کھو کر رہ گئی

کاش! میں بیان کرسکتی کہ افسردہ روحوں کے لئے
شامِ برشگال، شامِ ملال سے کم نہیں اور بارانِ مسرت اُن کے لئے
رنج و الم کی پھوار بن کر آتی ہے

ایسے وقت میں جب کائنات باغِ عدن کا بہتا ہوا ٹکڑا
معلوم ہوتی ہے میری روح جنّاتِ ہیولانی کی طرح محوِ طواف ہے
یہ نہ دریافت کرو کہ اس نکھری نکھری رات کو
جب آسمان پر ریزہائے الماس جگمگا رہے ہیں میرے تصوّرات
کا مطلع گرد آلود ہو کر کیوں رہ گیا ہے اور چاند کی قرمزی شعاعیں
خیالاتِ پریشاں کو ارتعاشِ نور میں جذب کرنے سے عاری ہیں
عروسِ قدرت کی نشاط افزا تصویر مجھے مناظر
خواب کی طرح مدھم نظر آتی ہے اور بوقلمونیٔ فطرت پُر از آلام روحانی
میرے لیے ابدی مسرّت کا سمندر اک سراب ہو کر
رہ گیا ہے اور اُمید کی ہرنی تو اُس آہوئے رمیدہ کی طرح
بیتاب کر دیتی ہے جو جنگلوں میں راستہ بھول کر بھٹکتا پھرتا ہو

دھومیں مچی ہیں آمدِ فصلِ بہار کی ... مانوس دل کو پاتے ہیں دیوانگی سے ہم

سرزمینِ خواب

ان چمکیلے ستاروں کے آگے اک اور جہان آباد ہے
معصوم اور شگفتہ روحوں کا مسکن اور جاودانی مسرتوں کا مخزن
جہاں فرشتے سازِ آسمانی پر گیت الاپتے ہیں۔ پہاڑی جھرنوں جیسے سہانے گیت

وہاں ہر شے ابدی ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنے والی
فرشتۂ اجل کی صدائے بازگشت اُن کی حیات کی لہروں
میں سنسنی نہیں دوڑاتی اور نہ بہار حنائے پائے خزاں وسطار بنکر آتی ہے
آہ وہ سرزمینِ خواب جہاں غنچے سدا بہار اور متبسم ہیں
کسی نامعلوم الم سے اُن کا سینہ فگار نہیں
جہاں چاند کا حسین چہرہ لمحہ بہ لمحہ درخشاں ہوتا جاتا ہے
برعکس اس دنیا کے جس کی اُداسیوں میں ماہتاب عالمتاب بھی
زرد زرد چہرہ اور پریشان نگاہوں سے حصہ لیتا ہے
وہاں ہوا کے سرسراتے ہوئے جھونکے آہوں میں لپٹ
کر نہیں آتے بلکہ قدسیت کے راگ سنا سنا کر مدہوش کرتے ہیں
اور اس بہترین سرزمین میں سازِ روح کو مضراب
الم سے نہیں چھیڑا جاتا
نہ ہی وہاں رنج و راحت، حیات و ممات اور
افلاس و امارت لازم و ملزوم ہیں
آہ! وہ مقدس سرزمین!! جہاں جزیرہ ہائے
خواب میں شرمیلے نغمے پھرتے ہیں اور روح خوب صورت
سبزہ زاروں میں آوارہ خرام رہتی ہے

محبّت

اکثر اوقات شفق کی طرح سرخ اور اپنی خوشبو سے
زیادہ حسین پھول بن کر سب کو دعوت دے دیتی ہے لیکن
دل کی گہرائیوں میں ناقابل اندمال ناسور بنانے کے لئے
خارِ مغیلاں سے بھی بیش بیش ہے

یہ دنیائے شعر کی روح کا رس ہے اور آلام
انسانی کا سب سے بڑا مسبب۔

حیات کی پیچیدگی اور بڑھتی ہوئی اُلجھنوں میں اس کا
وجود ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دور کہیں سے بانسری کی سریلی
آواز آرہی ہو لیکن اس آتش فشاں پہاڑ سے کم نہیں جو اک
عرصۂ دراز سے سرد ہو پر موقع پاتے ہی پھٹ پڑے

یہ رہبر و رہبر کی راہ استوار کرتی ہے اور ہر قدم پہ
رکاوٹوں کا منبع بھی ہے۔ بادِ صرصر کے جھونکے کی طرح بہار و خزاں سے
ناآشنا ہے اور برگ و گیاہ گل و گلشن سے بے پروا! لیکن جب حب وطن
کا جذبہ ذوقِ آزادی نک پیدا کر دے .... تو اُس وقت! ہاں تب
بلاشبہ سب سے لطیف اور نورانیت کا روشن ترین اختر ہے۔

طلسمِ زیست

یہ زندگی۔ آہ یہ زندگی جسے ہم اک خوش مرغزار سمجھتے
تھے اُس ویران صحرا سے کم نہیں جہاں ہر وقت مایوسی کا نمناک
غبار چھایا رہتا ہے یاس کے کوندے لپکتے ہیں اور نا اُمیدی کے بگولے
رقصاں ہیں

اور یہ زندگی جسے ہم الف لیلہ کی ایک رات کی طرح
کیف آفریں سمجھتے تھے کسی بے بصر کی دنیا کی طرح تاریک ہے جہاں
پستی ہوئی تمنائیں اور روحانی آرزوئیں اُبھر اُبھر کر دبتی ہیں
یہاں زیست کا شوریدہ مزہ دم بدم تلخ ہوتا جاتا ہے
اور اُس کی کسک دمبدم تیز تر

یہ زندگی جسے ہم سمجھتے تھے کہ معمورۂ راحت و آرام
ہوگی اک مجموعہ ہے غم و آلام کا...... جس کی پہلی ہی پگڈنڈی پر
اُلجھ کر روح وقفِ اضمحلال ہوجاتی ہے اور سرگزشت ہستی و مجنوں
و صورت بسیار

جب شب کا آخریں نشاہد نیلگوں گہرائیوں میں روپوش
ہونے لگتا ہے اور سورج کی تیز شعاعیں پہاڑوں پر لڑکھڑاتی ہیں

تو کسی آتشین شعلہ کی طرح لرزاں روح اور بھی پریشان
ہو جاتی ہے اور حیات کے سحر سامری سے نجات پانے کو بیتاب
پر آہ! اس کی گرفت تو روز بروز تیز تر ہوتی جاتی ہے

منتہائے حیات

آسمان کی وسیع آغوش میں ستارے رقصاں ہیں
اور میں منتہائے حیات پانے کے لئے غلطاں و پیچاں
مقدس معبود! اس زندگی کا راستہ بھی کیسا
ناہموار ہے قدم قدم پر الجھا ہوا اور لمحہ بہ لمحہ سیلاب بہ داماں
میرا حوصلہ پست ہو رہا ہے اور طاقت پرواز زائل
لیکن شاہراہ حیات تو ایک لمبے سانپ کی
طرح اپنے پیچوں میں دم بدم جکڑ رہی ہے اور اس کی انتہا
تک پہنچنے کا سوال شرمندۂ معنی
میرا کاہیدہ جسم اس طرح کانپ رہا ہے جیسے
زخّار و طوفانی موجوں پر اک ننھی سی کشتی لرزاں ہو یا
کوئی مضراب زدہ تار مرتعش
دھوپ کی شعاعی رہگزر پر ذرّات خاکی جنباں

ہیں اور ہیں موت کے سے سکون میں نغمۂ زیست پانیکے لئے غلطاں
اس اُلجھی ہوئی عبارت کو سلجھاتے سلجھاتے میں
اس طرح واماندہ ہو کر رہ گئی ہوں جیسے چٹیل میدان میں
آنکھیں تھک کر رہ جاتی ہیں۔ یہ ایک ریگستان نظر آتا
ہے جس میں بگولے ہیں نہ ریت کے ٹیلے۔ اک ایسا آتشکدہ ہے
جس میں تپش کا نام تک نہیں رہا۔ ایک ایسی شوریدہ ندی
جس میں پانی کی افراط نہ ہو
رب العرش! آخر اس طویل سفر کا انجام

شب ماہ

نیلگوں گہرائیوں سے باران نور ہو رہی ہے جیسے
کوئی فردوسی حور اپنے حنائی اور نازک ہاتھوں سے تجلیات
فطرت نچھاور کر رہی ہو
کائنات اپنے نئے روپ میں ایک عروس نو سے
مشابہ ہے اور اُس جھیل کی طرح فرحاں جو سحر کے دھندلکے
سمے میں اونچی پہاڑی کے دامن میں جھلملا رہی ہو
روشنی کی لمبی لمبی کرنیں بادلوں سے جھانک

جھانک کر دیکھتی ہیں اور ستاروں کی کانپتی ہوئی تنویر سے ماہ
چہار دہم مسکرا رہا ہے۔ اک پیکرِ الوہیت اور خواب بتگر کی تعبیر
بن کر جو نیک روحوں کو دنیائے آسمان کا راستہ بتا رہا ہو
لبادۂ سیمیں میں ملبوس دہر مسرور ہے اور طمنیان
ہیرے کی کرنوں کی طرح اُس کے ذرّے ذرّے سے ظاہر
خواب کے نیلے ہلکے رنگ میں زندگی کی لہریں
دوڑ رہی ہیں اور اپنے ہی تابشِ تبسم سے سمندری لہریں شرما کر رہ جاتی ہیں
لیکن آہ! میرے قلبِ حزیں کو قرار کیوں نہیں
یہ بڑھتی ہوئی بے چینیوں کی آماجگاہ کیوں بن رہا ہے اسی طرح
جیسے درختوں کے ساکت پتوں میں سے ہوا کا شوریدہ جھونکا
سرسراتا ہوا گزر جائے
بادلوں کے جھرمٹ میں سے کرنیں چھوٹ چھوٹ کر نکل
رہی ہیں قطراتِ بارش کی طرح جو تالاب میں گر کر بلبلوں کی
ننھی ننھی لہریں بنایا کرتے ہیں لیکن میرے دل پر ایک بے پایاں
سی خلش طاری ہے جیسے نمودِ سحر کے سکوت میں کسی مندر کا گھنٹہ بج اٹھے

آرزوئیں نہ رہیں حسرت و ارماں نہ رہے — یعنی پہلو سے مرے وہ دلِ دیوانہ گیا
چھٹ گئے اور سب انداز جنوں تو لیکن — چپکے چپکے یہ مرا روز کا رونا نہ گیا

آرزوئیں

سمندر کی شوریدہ اور الھڑ موجوں کو اک شان
بے نیازی سے جل ترنگ پر میٹھے راگ الاپتے دیکھ کر میری روح
بے قرار ہو جاتی ہے ..... کاش! میں بھی ایک ننھی سی لہر ہوتی
اور جب آفتاب کی شفق ریز شعاعیں آخری مرتبہ پہاڑی چوٹیوں سے
جھانک کر غیر مرئی وادیوں میں غائب ہو جائیں ..... تو ساحل سمندر
سے بوڑھی دنیا کے پرافسوں افسانے اور نیستی ہستی کے افسانے سنا کرتی
تاریک اور ڈراونی راتوں کو جب ننھے ننھے تارے
نیلگوں آسمانی چادر پر اس طرح جگمگاتے ہیں جیسے کسی معصوم ہرن
کی آنکھوں میں روشنی کا ننھی ہو تو میرا دل بے چین ہو جاتا ہے
اے کاش! میں بھی محفل انجم کا ایک فرد ہوتی اور
جب فطرت کی خواب آلود نگاہیں جھپک جھپک کر کھلتیں .....
تو کائنات کی لامتناہی وسعتوں پر کسی گم کردہ راہ مسافر کی رہنمائی کیا کرتی
رنج و غم کی تاریکیوں سے فضا کو شب سیاہ کی
طرح محیط دیکھ کر میری روح کانپ اٹھتی ہے ..... اے کاش
میں موسیقی کا ایک نغمہ ہوتی اور جب دنیا و قت کی گرجنے والی

موجوں پر برگ کاہیدہ کی طرح لرزاں ہوتی .... تو!
بربطِ مسرت سے گونج کر کائنات کی پژمردہ روح کے تاروں کو
جھنجھنا دی .... یہ ہیں میری آرزوئیں!۔ میرے دل کی
گہرائیوں کی آوازیں!

باوجود یہ جاننے کے بھی ۔
فائدہ کیا ہوس دل کے بڑھانے کا جلیل
وہی نکلیں گے جو ارماں ہیں نکلنے والے

راز

تم اس راز کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہو جو لحدِ مغرب
میں اُترتے ہوئے آفتاب کی افسردگی میں پایا جاتا ہے
جو دل شکستہ عندلیب کو خزاں کے سرسراتے ہوئے
جھونکے سنایا کرتے ہیں
اور جو قبر کے بھورے بھورے سخت پتھروں کی
زبانِ خاموشی میں پنہاں ہے
تمہیں اس درد کے احساس سے حدِ امکان تک
دور رہنا چاہیئے۔ عزیز دوست! ...... خوشگوار خوابوں کی

جنت برباد کر دینے والے رازوں کی آگاہی سے
آہ! یہ نہ پوچھو کہ گرجنے والی موجیں بساحل
سمندر سے ٹکرا کر خاموش کس لئے ہو جاتی ہیں
پتیوں کی معنی خیز جنبش کسی سوزِ نہاں کی سرگم کیوں ہے
فلک کی نیلگوں چادر پہ بکھرے ہوئے ستارے
کون سا افسردہ قصہ سناتے ہیں؟ اور میری غمناک نگاہیں دور
افق پر کس چیز کو تلاش کر رہی ہیں
ان رموز کو سربستہ ہی رہنے دو۔ دوست! انکا
انکشاف تمھارے معصوم دل پر کپکپی طاری کر دے گا
وقت کی محشر خیز لمبی لمبی سوئیاں خود ہی یہ لبادہ
اٹھا دیں گی ان اسرارِ نہاں و رازہائے پنہاں کا

یک لمحہ سکوں

وہ خاموش سا پُرسکون لمحہ!
کائنات مردۂ صد سالہ کی طرح محوِ خواب تھی اور آسمان
کے تاریک حصوں میں لٹکے ڈکتے تارے جھلملا رہے تھے
جیسے عروسِ شب کی درخشاں مالا کے سیمیں موتی

بکھر رہے ہوں

رات اپنے سناٹے سے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ مدھم اور
دھیرے دھیرے جیسے دور کے شفق زاروں میں اڑتے ہوئے معصوم
فرشتے کے پر پھٹ پھٹا رہے ہوں۔

سفیدے کے درخت برف کا لبادہ اوڑھے چپ چاپ
کچھ سوچ رہے تھے جیسے کسی سنگتراش نے ناتراشیدہ بُت کھڑے کر دیئے ہوں

میرے معبود

اس بحرِ ناپید کنار میں میری روح "طوفان زدہ کشتی"
کی طرح ہچکولے کھا رہی ہے اور وہ دل جو تیرا عطیۂ خاص تھا تفکرات
کے طوفان میں بکھر کر شکستہ ہونے کو ہے بالکل اسی طرح ! جیسے
ابرِ تاریک روپہلی چاند کو نرغے میں لے کر فضا کی مسرت کو مٹا دے
بلند آشیاں داور ! صبح کی کیف آفرینی غیر معمولی
سکون کی حامل بن کر آئی ہے اور شب کی تاریکی اس کا پُر جوش تتمہ
لیکن میری ناچیز روح تو پلکوں پر ٹھہرے
ہوئے آنسوؤں کی طرح لرزاں ہے۔ تو اسے اپنے قرار دے کر تسکین
میں اپنا تصورِ تقدس تا ابد پیوست کر دے

راحم آقا! اس بیوفا دنیا کا ذرہ ذرہ کانٹے کی طرح

جانستاں ہے اور چپہ چپہ کسی بڑھتے ہوئے طوفان کا سایہ بناہ

یہاں کی فضاؤں میں شیطان قہقہے مارتا ہے اور

حسرت و یاس کا سایہ سروں پر منڈلاتا رہتا ہے

خونِ تمنا کی بڑھتی ہوئی آمیزش اُسے روز بروز

گلگوں تک کر رہی ہے۔ موت کے گرجتے ہوئے شعلے مجھے اپنی طرف

کھینچتے ہیں اور گناہ گاری کا اہرمن دور ہی دور سے ڈراتا ہے

لیکن میری بے تاب نگاہیں تو دور افق میں

تیرے جلوہ ہائے کرم کی متلاشی ہیں

میرے معبود! خونِ آرزو کا ماتم مجھے کہیں

ہمیشہ کے لئے سوگوار نہ بنا دے۔

محسوساتِ لطیف

کھلے دریچہ سے یاسمن اور گل ریحان کی بھینی بھینی

خوشبو آ رہی تھی مجھے تو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مشک و حریر میں

ملبوس، دنیائے متقدس کی کوئی مقدس روح غیر مرئی

وادیوں کی راہ بھول کر عالم فانی میں اُتر آئی ہے

چاند کی سنہری روشنی سایہ دار گل کی طرح صنوبر
کے پتّوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ مجھے تو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ
پریوں کی سرزمین میں رہنے والی نیکی کی پُراسرار دیوی
ظلمت کدہ عالم میں اپنی نورانی کرنوں کی جھلک پھیلا رہی ہے

آرزوئے ناتمام

رات آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے
آسمان کے تاریک حصّوں میں اِکّے دُکّے ستارے نکل آئے
دہر پہ موت کا سا سکوت اور قبر کی سی تاریکی طاری ہے
لیکن لیکن!! یہ دھیمی دھیمی سرسراہٹ
یہ غیر متوقع لرزش کیسی؟
کہیں کوئی آرزو اُمید کا دھندلکا دیکھ
کر شگفتہ ہونے کی متمنی تو نہیں؟
یا بربط حیات کی اضطراری لے نے انہیں ہلچل مچا دی
تصوّر کی موجوں پر سیکڑوں آرزوئیں صدہا
ننھی ننھی خواہشیں تیرتی پھرتی ہیں
لیکن دریائے یاس کی محض اک موج اُنھیں

متنزلزل کر دیتی ہے عمیق عمیق گہرائیوں میں ہمیشہ کیلئے ڈبو دیتی ہے
اُفقِ دل پر بڑھتے ہوئے خیالات غلبہ پا لیتے ہیں
لیکن اس طرح پامالِ حسرت ہونے کے لئے جیسے دیوانے کی
چیخ فضا کی لامتناہیوں میں کھو جاتی ہے
تو پھر جب شوریدہ ہوا درختوں سے اُلجھ رہی ہے اور
دھندلی دُھندلی پرچھائیاں کائنات پر منڈلا رہی ہیں
گوشۂ دل میں یہ ہلکی ہلکی تھرتھراہٹ کیوں؟
یہ پراگندہ و پریشان کن لرزش کیسی؟
ربِّ کعبہ! کوئی شرمندۂ تکمیل آرزو دم تو نہیں توڑ رہی

"تلخیٔ حیات"

تم کہتے ہو کہ ہر وقت خوش رہنا چاہیئے۔ پر آہ!
کیا یہ زندگی اک مرقعِ یاس نہیں سراپا پُر از آہ و فغاں
اس میں شک نہیں کہ یہ ننھا سا حسین پھول
نشاطِ بہار سے جھوم رہا ہے پر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کا ننھا سا سینہ
تصورِ خزاں سے گریاں اور خوفِ گلچیں سے نالاں نہیں اور یہ
ننھے ننھے شبنمی موتی جو فرشِ زمردیں پر چمک رہے ہیں قطرات

اشک ہیں۔ ملکۂ شب کی حسین آنکھوں سے گرے ہوئے آنسو
یہ نہ کہو کہ شب ماہ کی درخشانی لمحہ بہ لمحہ ترقی پزیر ہے
اس کی بڑھتی ہوئی زردی اور افسردہ نگاہی میں تو نہ
معلوم کتنی آرزردگیاں پوشیدہ ہیں
یہ دنیا۔ یہ دنیا! حسن بن صباح کی روایتی جنت سے
زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کی ہر شب کسی نامعلوم الم سے
کراہتی ہوئی آتی ہے اور آمد سحر شفق کی سُرخی سے لالہ زار ہے
جبھی تو فضا کی نمناکی ہیں آنسو ملے ہوئے ہیں
ہوائے سرد سرد جھونکے ہر وقت محو فغاں رہتے ہیں
اور آسمان کی چھاتی ابر آلود ہے
خوشی! آہ وہ تو اس دہر میں عنقا کی طرح
معدوم ہے اور حیات کا مزہ تلخ ہے۔ حد خیال سے بھی بڑھکر تلخ

خزاں رسیدہ پتّے

فروری کی اک اُداس سی دوپہر تھی۔ حزن آلود اور
بھیانک دوپہر! خزاں کے سرسراتے ہوئے جھونکے درختوں کے
درمیان سے گزرتے اور انھیں سیکڑوں کی تعداد میں شاخِ حیات

سے نوچ کر پھینک دیتے

ایسے ہی میری زندگی کے دن بھی شجرِ حیات سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ درختوں کے خزاں رسیدہ پتے تو اِکّے دُکّے نظر بھی آجاتے ہیں خواہ صحرا کے ریت کی طرح پریشان یا منزلِ مقصود کی تلاش میں جُنباں۔

لیکن آہ! بیچارے میری حیات کے گزرتے ہوئے دن!! نہ معلوم کون سے آسمانی راستے طے کر رہے ہیں۔ کون سی گہری گہری خلاؤں میں غائب ہوتے جاتے ہیں کہ ان کے وجود پر بھی مجھے شک ہونے لگتا ہے

خزاں کے بعد بہار امرِ یقینی ہے جب سرسبز و شاداب درخت پتوں کو پھر سے حیاتِ نو عطا کریں گے .... اور ہلکی ہلکی سنسناتی ہوئی ہوا سرزنشِ حیات

پر آہ! بیچارے میری زندگی کے گزرتے ہوئے ایام!! یہ پھر کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔ ہر آنے والا لمحہ انھیں مجھ سے دور سے دور تر کرتا جائے گا۔ تو معبود! شجرِ حیات ہر روز پت جھڑ کا شکار کیوں ہوتا ہے اس کی کانپتی ہوئی شاخیں اور لرزاں پتیاں ایک مرتبہ ہی کیوں فضائے بعید میں پرواز نہیں کر جاتیں

آبشار

اپنی ابدیت کے راگ الاپتا۔ سینۂ دہر کو چیرتا ہوا بہہ
رہا ہے جیسے حیاتِ انسانی کے سرنگوں پیمانہ پر خندہ زن ہو......
سرحدِ ممات و حیات سے ٹکراتا۔ درِ رجا و دائمیت پر دستک دیتا
آگے بڑھ رہا ہے......... اس کی ہستی ایک دورِ تسلسل ہے
جو یکسانیت سے بیگانہ و بلند و بالا

زندگی کی پگڈنڈی میں الجھا ہوا انسان اس قابل
کہاں کہ اس عنصر کی گہرائیوں تک پہنچ سکے۔ اس کی غضب ناک
لہریں کبھی رعد کے دیوتا کی گرج سے مشابہ ہیں اور کبھی ملکۂ موسیقی
کے نازک لبوں سے نکلے ہوئے نغمۂ چنگ کی حامل...... اور!
اور!! کبھی اس طرح ساکت جیسے کوئی ننھا سا بچہ محوِ خواب ہو

صدائے آبشار کے آگے سرگشتِ ہستی موہوم ہے
اور اپنی بے چارگی کی بازگشت........ لہراتا بل کھاتا۔ جھاگ
بہاتا اور ہچکیاں لیتا اپنی رو میں بہا جا رہا ہے....... دنیائے
سفلی اور عالمِ علوی کا سنگم بن کر۔ بہار آفرینوں کے طوفانی
رنگ و بو بکھیر رہا ہے۔ کیف و مسرت اس کی موجوں پر آنکھ

مچولی کھیلتے ہیں اور زندگی کی لہریں قطرے قطرے سے نمایاں۔
نیلا آسمان اسے اپنے نغموں سے سیراب کرتا ہے اور لہلہاتے ہوئے
تارے داعئ بازدید ہیں .... حسین اژدہے کی طرح
رینگتا ہوا آبشار فکر و معنی سے ناآشنا ہے اور اندیشۂ فردا سے
نابلد ... تاہم رازِ جو نگاہوں کو ہدفِ استہزا بناتا ہوا جذبۂ
بے اختیار سے بڑھتا چلا جا رہا ہے جیسے خوشیوں کے انبار کو
منتشر کر دیگا یا کائنات کو اپنی تڑپ میں جذب

عارضی اور ناپائیدار خواہشوں میں گھرا ہوا انسان
آبشار کے نغماتِ بیداری کب سمجھ سکتا ہے

برف کے گالے

کس قدر حسین ہیں یہ برف کے ننھے ننھے گالے! اور
کیسے پاک و شفاف جیسے دنیائے معصومیت میں ہلکی ہلکی طمانیت
لہریں مار رہی ہو۔ نو شگفتہ کلی کی مانند نازک۔ سرزمین خواب و
خیال سے آنے والے خوشنما گالے

پردۂ دہر پر پڑے ہوئے ایسے معلوم دیتے ہیں جیسے
بوڑھی زمین نے اپنی گہرائیوں سے سیمیں موتی اُگل دیے ہوں۔

سورج کی تیز تیز شعاعوں سے لڑکھڑاتے اور ستاروں
کی دنیا کی طرح جگمگانے لگا ہے
کبھی تو دوشِ نسیم پرواز کناں ہیں... اور کبھی
ہفت رنگ کے شعلوں کی طرح رقصاں
مجھے تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی معصوم حور کی آنکھوں سے
ٹپکے ہوئے آنسو ہیں یہ سفید سفید گالے ! جو گنہگار انسانوں کے لئے
دعائے مغفرت کرتے ہوئے درِ عبودیت کے وا ہونے کی منتظر ہے

بادل

موسمِ سرما کے خوفناک سمندر کی سی تیزی
اور فاختہ کی سی سبک رفتاری کے ساتھ دوشِ ہوا پر تیرتے پھرتے ہیں
آسمانی جھیل کو اک عالمِ خود فراموشی میں عبور کر رہے ہیں
ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اپنے رفیق کو لحدِ مغرب
میں نہاں ہوتے دیکھ کر خرد و حواس سے بے نیاز ہو گئے ہوں
شام کا روح پرور سماں کائنات کی رگ رگ
میں سرایت کر چکا ہے۔ شاہ بلوط کے درختوں کے نیچے گڈریے
بانسری بجا رہے ہیں اور طائرانِ خوش الحان اپنے الوداعی

نغموں سے خود ہی مدہوش ہو گیا
لیکن شوخیٔ سحاب نے کفنِ آفتاب کے ساتھ لپٹ کر رکھ دیا ہے
سرد آہوں کی طرح نمناک۔ آنسوؤں کے
سے گیلے اور دلِ شاعر کی طرح مضطرب بادل فرقتِ مہر میں بیقرار ہیں
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دامنِ شفق کو اپنے
خونِ قلب کی سُرخی سے لالہ زار بنا دیں گے

سائے

لرزتے ہوئے سائے ہوا کی سرسراہٹ کے ساتھ
بل کھا رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی غیر مرئی وادی کی
روحیں آنکھ مچولی کھیل رہی ہوں یا منظرِ خواب کی دھندلی تصاویر
کائنات کے دبیز پردے پر کانپ رہی ہوں یا شاید آسمانی بلندیوں
کے سیاہ بادل دوشِ ہوا سے نیچے گر پڑے ہوں
بے معنی طور پر محوِ طواف اور سیاہ بادلوں کی طرح لہراتے
سائے دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ جنات ہیولان راستہ بھول کر بھٹکتے پھرتے
ہیں۔ اپنے آپ سے بچھڑتے سائے دیکھ کر مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ
بوڑھی دنیا سے اپنے وجود کا راز پوچھنے کے لیے بیتاب ہیں

حباب

سطحِ سحر پہ بہتا ہوا چنچل لہروں سے خوشگوار گیت سُن
رہا ہے اور اٹھلاتی ہوئی جل پریوں کی عطر افشانیوں سے مدہوش
ہو ہو جاتا ہے۔ ننھا سا قطرۂ حباب دم بخود نگاہوں سے مطالعۂ کائنات
میں مصروف ہے اپنی محدود فضا اسے عشرتِ جاوید سے لبریز نظر آتی ہے
اور دنیا ایک نغمۂ شیریں جو فردوس کی کسی حور کے
مقدس لبوں سے نکلا ہو

سراب آسا حباب! وقت کا بیرحم جادوگر اسے اپنے
سحر میں پھنسا چکا۔ وہ حقیقتِ حال بھول چکا ہے کہ اُبھر اُبھر کر لوریاں
سُنانے والی لہریں ممات کے راگ بھی گایا کرتی ہیں
اور وہ حسین جل پریاں! جو پُرکیف مسکراہٹ سے
مخمور کر لیتی ہیں پائے حقارت سے ٹھکرا لینے میں بھی کسی سے کم نہیں
دنیا! ہاں یہ دنیا!! ناکام آرزوؤں کے افسانوں
کا مجموعہ ہے اور کائنات ایک نوحۂ غمگین! جو کسی ستم رسیدہ
روح کی دلدوز پکار ہو

کیفِ حیات سے لبریز ننھا حباب الھڑ موجوں پر اسطرح

کانپ رہا ہے...... جس طرح مسکراہٹ حسین لبوں پر لرزا کرتی ہے
کاش وہ اس درسِ طپیدن سے بھی واقف ہوتا ہے

کوئی دلچسپی نہیں رفتارِ صبح و شام میں
کچھ نہیں غیر از مصائب دامنِ ایام میں

جگنو

جب ماہِ تاباں کی نقرئی روشنی گہرے سیاہ بادلوں میں چھپ جاتی
ہے تو یہ اک شعاعِ سحر کی طرح کائنات کی تاریک فضا میں نفوذ کرتا ہے
اور جب تاریک راتوں میں بارش بڑے زور شور سے ہو رہی ہو
جیسے روتے روتے کسی کا دامن اشکوں کی نہ تھمنے والی ندی سے تر ہو جائے
تو یہ ننھا سا چراغ گل ہونے کے بجائے اک شہابِ ثاقب کی طرح رقص کرتا پھرتا ہے
اور اس سے بھی جب ہوا کے جھونکے بڑھتے بڑھتے آندھی میں
تبدیل ہو جائیں جیسے ہزاروں بھوت غیر مرئی وادیوں میں مصروفِ پیکار
ہوں ..... تو ان تند تھپیڑوں سے ماند پڑنے کے بجائے یہ پہلے سے
بھی زیادہ تیز اور روشن تر ہو جاتا ہے
جیسے اک شعلۂ رخشندہ اپنی روپہلی جھلک دکھا رہا ہو
یہ نیلی مسکراہٹوں والے نیلے نیلے آسمان کا ٹوٹا ہوا

ستارہ تو نہیں جسے عروسِ شب کا پاسبان مقرر کیا گیا ہے

برق سے

اے برق! آسمانی جل پری!! کیا چرخ نیلوفری کی گہرائیاں
تیرا خوشگوار بوجھ برداشت کرنے کے ناقابل ہیں یا عالم بالا کی کیف
آفرین فضا تیرے قیام کی اہل نہیں
تو کہیں کوئی تقدس مآب دیوی تو نہیں؟ جو دنیاوی کثافتوں
اور روحانی خلشوں سے دور کسی خاص جگہ کی متلاشی ہے جہاں
کوئی تیرے اعتکاف و استغراق میں مخل نہ ہو سکے
یا کوئی فردوسی حور! جو عالم لاہوت کی خاموش و
متبرک فضا میں ابدیت کے راگ الاپتی رہتی ہے
جب تیرہ و تار بادل کائنات کو اندھیرے غلاف
میں ملفوف کر دیتے ہیں۔ وہ ہر شہر خموشاں کی طرح ساکت
ہوتا ہے اور روح خزاں آشنا پتے کی طرح لرزاں
تو کون سی خلش تجھے سرزمینِ خیال سے دنیائے مادی
کی طرف کھینچ لاتی ہے۔ نمناک سے دھوئیں میں ملفوف زمین
کی کون سی مقناطیسی کشش تجھے بیخود بنا دیتی ہے

لیکن اے حسین ساحرہ! اُسی لمحے اک شعاعِ آتشیں
تیرے گرد ہالہ کر دیتی ہے جیسے اوّلین قطرۂ انفعال چمک رہا ہو۔
سحاب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار شروع ہو جاتا ہے۔ پُر غضب
رعد اور خوفناک گرج سے آسمان چیخ اُٹھتا ہے۔ ہوا سرد
آہیں بھرتی ہے اور زمین کانپنے لگتی ہے
لیکن اس عرصے میں تو بساطِ آسمان کی سیاہ نقاب میں
روپوش ہو چکی ہے
پُراسرار دیوی! تیرا وجود اک پُر استعجاب اور گہرے
راز سے کم نہیں۔ اکثر سنسنی ہوئی راتوں میں۔ میں ان پیچیدہ
کڑیوں کو حل کرنے کی ناکام کوشش کرتی ہوں
مجسمۂ حسن! اپنے خوشنما چہرے کو شعلہ رو
بنا کر اک عالم کو زیر و زبر نہ کیا کر۔

سہیلی

رات اندھیری تھی اور چاند بادلوں کے سیاہ پردے میں
چھپا ہوا تھا۔ کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر سکوت چھایا ہوا تھا
میری سہیلی گہرے خیالات میں کھوئی ہوئی کچھ

سوچ رہی تھی اُس کے گھونگروالے بال منتشر تھے اور خوبصورت چہرہ پژمردہ .... "کیسا خوفناک منظر ہے" میں نے دریچے سے باہر جھانکتے ہوئے کہا - "اس سے کہیں زیادہ ہماری جدائی کا منظر خوفناک ہوگا" میری سہیلی نے اپنے خیالات سے چونک کر آہ سرد بھرتے ہوئے جواب دیا

"عزیز سہیلی" میں نے کہا "دنیا پھولوں کا بستر نہیں جہاں انسان خواب راحت کے مزے ہی لوٹتا رہے جب انسان دوسری تکالیف برداشت کرسکتا ہے تو اسے جدائی کے مصائب اُٹھانے کے لئے بھی ہر وقت تیار رہنا چاہیے"

"کیا اس سے بڑھکر بھی کوئی مصیبت ہے" میری سہیلی نے افسردہ دلی سے پوچھا "کیا جدائی سے بڑھ کر بھی کوئی بُرا وقت انسان پر پڑتا ہے"

"لیکن عزیز دوست" میں نے کہا "بچھڑے ہوئے ملا بھی توکرتے ہیں۔ کیا جدائی کے دکھ کے بعد یہ سکھ حاصل نہیں ہوتا"

"پھر تو دنیا ہمارے لئے بہشت ہوئی" میری سہیلی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا

"نہیں جہنم سے بھی بدتر" میں نے جواب دیا

اُس کی خوبصورت نرگسی آنکھوں میں دو آنسو
موتیوں کی طرح چمکنے لگے جن کو میں نے آگے بڑھ کر اپنے آستین
سے صاف کر دیا

بچہ

جب انسانی آرزوئیں شرمندۂ تکمیل ہوتی ہوتی
ور جب صفر پر پہنچ جاتی ہیں اور نغمۂ حیات کی اضطراری
لَے کسی نئی گت کی متلاشی

تو یہ ایک ملکوتی نشے سے لڑکھڑاتا پردۂ غیب
سے ظاہر ہوتا ہے۔ قدرت کا نقیب بن کر اور ذاتِ باری
کی شفقت کا یقین دلاتا ہوا۔

اور جب حیاتِ انسانی پردۂ شب سے بھی
تاریک تر ہو جاتی ہے اور دہر کی دلچسپیوں میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی
تو یہ اپنے وجود سے درخشانی پھیلا دیتا ہے جیسے سحر
کے وقت جھیل کے خاموش نیلے پانی پر آفتاب طلوع ہو جائے

اور اُس وقت بھی جب زندگی کی بے پناہ
یکسانیت ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے اور متجسس روحیں تھیاب

خیاباں تلاش بہار آفریں میں بھٹکتی پھرتی ہیں
تو یہ عالم بالا کی پہنائیوں سے اس طرح نفوذ کرتا
ہے جیسے اندھیرے سنسار میں روشنی جگمگا اُٹھے
یہ اک پیکر الوہیت ہے اور مجسمۂ معصومیت
کسی صنّاع کی اس سے بڑھکر تصویر نہیں ہو سکتی
نہ کسی بُت گر کے خواب کی اِس سے اعلیٰ تفسیر
یہ دنیائے پاکیزگی کے سبزہ زاروں کا کوئی دیوتا
تو نہیں ؟ جس کا نیک ہستیوں کی رہبری پر تقرّر کیا گیا ہے

سرمایہ دار

وہ اپنے سر بفلک محل میں کشمیری شالوں میں لپٹا لپٹایا خواب راحت کے مزے لے رہا تھا۔ ہوا کے برفانی جھونکے کسی دیو کے آہنی ہاتھ کی طرح دروازوں پر دستک دیتے لیکن اُس کے آرام میں مخل ہونے کے خوف سے کوئی شوریدہ سا راگ الاپتے ہوئے واپس لوٹ جاتے

جب اُسے یتیموں کے آنسو۔ بیواؤں کی فریادیں اور مفلسوں کی آہیں پردۂ تخیل پر رقصاں نظر آتیں جو اُس کے

دستِ تہی سے زندگی کی مسرتوں کو خیر باد کہہ چکے تھے تو اس کے
کرخت لبوں پر ہنسی آجاتی سینکڑوں معصوم دلوں کو دہلا دینے والی ڈراؤنی ہنسی

کبھی تو اسے ایسا معلوم ہوتا کہ لکشمی دیوی مایا کی تھیلیوں
کو ہوا میں جھنکار رہی ہے اور کبھی دولت کے انبار کسی فاقہ کش
کی جھونپڑی میں چھپے دکھائی دیتے

صبح کے نورانی آفتاب کی شفق ریز شعاعیں پردۂ اُفق
سے جھانک رہی تھیں جیسے اس کے سیم و زر کے انبار سے آنکھ
مچولی کھیل رہی ہیں۔ اس کے تخیلات غریبوں کو جنگل میں چھپانے
کے نقشے پیش کرتے اور خوابوں کے جزیروں سے نشاط جاوداں
اور زر و جواہر کی بارش ہوتی

اس کی صبح "صبح عید" تھی اور شب "شب برات"
کیونکہ وہ "ہندوستانی سرمایہ دار" تھا

مزدور

وہ اپنے رعشہ بر اندام اور کمزور ہاتھوں سے سڑک پر
سخت پتھر توڑنے میں مشغول تھا۔ کبھی کبھی سرد ہوا کا یخ بستہ جھونکا
اس کے برگ کاہیدہ کی طرح لرزاں جسم۔ جنباں روح اور کپکپاتے

ہوئے اعضا میں اور بھی ارتعاش پیدا کر دیتا تو وہ ایکا ایکی رک جاتا۔
.... غیر اضطراری طور پر آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ جاتیں اور
دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آہِ سرد کو نالۂ خونیں میں تبدیل کرتے
ہوئے اپنے نیم برہنہ جسم کو ٹھٹھرتے ہوئے ہاتھوں سے گرم کرنے
کی ناکام کوشش میں مصروف ہو جاتا

کبھی تو اُسے محسوس ہوتا کہ ٹوٹے ہوئے پتھروں میں
اس کی تقدیر کا پھول بھی ریزے ریزے ہو کر مل چکا ہے اور کبھی اپنی
منزل دور ، بہت دور !! اُفق کے پار کی پہاڑیوں میں پوشیدہ نظر آتی
صبح کا منور آفتاب بھی نمناک دھند اور کہر کی اوٹ میں
سسکیاں لے رہا تھا جیسے اسکے بڑھتے ہوئے غم و تکالیف کا شریک حال
ہو رہا ہو۔ آہ ! اُس کے تصورات کی دنیا پر مفلسی کا خوفناک
پردہ پڑا تھا اور خیالوں کے عقب میں آنسوؤں کا طوفان پوشیدہ تھا
اُس کی صبح "صبح ملال" تھی اور شام "شامِ غم" کیونکہ وہ ہندوستانی مزدور تھا

محو فغاں جھونکو

محو فغاں جھونکو ! تم دھیرے دھیرے سرگوشیاں کیوں کر
رہے ہو۔ ہنسی کی لہروں پر موت کے سے چھینٹے کیوں پڑ گئے ؟

خزاں کی بربریت تو اس انتشار کا باعث نہیں یا
مستقبل کے سنہری خواب نقش برآب ہو گئے

ماتم کناں جھونکو! تم ماضی پر سر کیوں دھن رہے ہو
وہ تو آہوئے صحرا کی طرح گریزپا ہے اور اک دھندلی سی تصویر حیات
جیسے اک خواب آور دوا کے اثر سے ہوش میں آتی آتی روح مدہوش ہو کر رہ جائے
یا اک سراب آسا حباب! جسے وقت کی چنچل لہریں
فوراً سے پیشتر غرق آب کر دیں

وقفِ ماضی جھونکو! بھولی ہوئی کہانیاں نہ دہراؤ
ان الم ناک گہرائیوں میں تو نہ معلوم کتنے سہانے سپنے دفن ہو چکے ہیں
شرمندۂ تعبیر سپنے! جن کی دھندلی دھندلی سی
تصاویر سے کبھی سیکڑوں تمنائیں وابستہ رہ چکی ہیں۔ صید زخمی کی طرح
چلاتے ہوئے جھونکو! شفق کی طرح رنگین لیکن قوس قزح
جیسے دور لمحات کا خیال نہ کرو

یہ وقت! ہاں یہ ظالم وقت!! تو ہر تانیہ مسرت
نگلنے میں پیش از پیش ہے۔ آہ! یہ ساکنان دہر کی ہزاروں
آرزوؤں کا مدفن وقت۔

شب کو سیپی سے جھومر ستارے چمکتے ہیں

لیکن سورج کی طلسمی آنکھ پڑنے سے پہلے ہی گُل ہونے کے لئے دن بڑے کروفر سے پردۂ اُفق سے نمودار ہوتا ہے لیکن شب کی شعلہ بداماں ساعتوں میں پنہاں ہونے کے لئے

جہاں دیدہ دہر! اس کی اسٹیج پر ایسے ہی ڈرامے ہوا کرتے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے

آشفتہ نوا جھونکو! تم فرطِ الم سے نیم جان ہو رہے ہو

غالباً اس خیال سے کہ صباحِ فردا پر دانۂ خزاں نہ لائے

یا بہار کی کیف آفرینی پر خون آشامی قضا و قدر قبضہ نہ کرلے

پر آہ! لیل و نہار تقدیر! یہ تو نغمۂ حیات کی اضطراری لَے کو ہر وقت محو گردش رکھتی ہے

روح فطرت کی خوراک ہی ساکنانِ دہر کی لرزہ انداز آہیں ہے

یہاں راگ ہائے سرمدی الاپو یا پُر درد نوحے

لیکن یاس کی تاریکی میں آس کی کونپلیں پھوٹا کرتی ہیں

نہ ہی تار ہائے حیات پُر مسرت نغموں کی لَے سے ہر وقت جھنجھناتے ہیں

تمہاری اس مدھم سی سرسراہٹ میں آرزوئیں دم توڑ رہی ہیں۔ لیکن وہ آرزوئیں ہی کیا؟ جو بڑھتی ہوئی حسرتوں میں تبدیل نہ ہو جائیں

جب وجہ ہستی کی بنیاد ہی انقلاب پر ہو تو کوہسار کی شوخ
پری مدھر اگیت گائے یا خزاں کا خونچکاں دیوتا بر سرِ کائنات ہو
آنے والی ساعت کے خیال سے نیم جاں ہونا چہ معنی دارد
کراہتے ہوئے جھونکو! اس دردِ جانگداز کی کسک خود ہی
اپنا مداوا ہو جائے گی ذرا وقتِ علاج تو آنے دو
سیاہ بادلوں کے نرغے میں گرفتار چاند کبھی نہ
نہ کبھی تو اس بندش سے آزاد ہو جاتا ہے
پھر تمھاری آرزوئیں ساحلِ مراد کو کیونکر نہ پہنچینگی
جب کہ خزاں کے بعد بہار کا آنا کامیابی دہر ہے

کوہ سے

حیران و متحیر سی مایوس نگاہوں سے آسمان کو کیوں
تک رہا ہے۔ ستاروں کی کپکپاتی روشنی میں تیرا مطلوب کھو گیا۔ یا
اس نیلگوں خلیج میں کوئی کوہسار کی دیوی نظر نواز ہے
کوہِ وقار! تو یوں عالم سکتہ میں کیوں ایستادہ ہے
جہانِ مکافات میں سیکڑوں قافلے آکر مقیم ہوتے ہیں
اور کارواں در کارواں منزلِ حقیقی کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں

گلپوش و خنک آفریں بہاریں آتی ہیں اور خزاں کے
خونچکاں دستِ تعدّی میں دہر کی باگ ڈور تھام جاتی ہیں
کائنات کا ذرہ ذرہ تغیر پذیر ہے اور زمانہ کسی سُبک
رفتار فاختہ کی طرح محوِ پرواز۔ ابتدائے آفرینش سے یونہی ہوتا آیا
ہے اور انتہائے آفرینش تک یونہی رہے گا۔
لیکن کوہِ عظیم! تو تو منزلِ اوّل پر ہی اٹل ہو کر رہ گیا
کیا ایک قدم بڑھنا بھی تیرے لئے عار ہے
شفق کی سُرخی ماند پڑتے پڑتے غائب ہو جاتی ہے
اور گہری گہری سیاہی کسی کے بخت تاریک کی طرح ہویدا
جنت الفردوس کی کافوری شمع دھیرے دھیرے راستہ
طے کرتی ہے اور پھر ماہتاب اپنے آتشیں چہرے سے سر نکال کر جھانکتا ہے
دہر کا تسلسل چکر کاٹتی ہوئی سوئیوں کی طرح
جاری ہے اور یک لمحہ خواہشِ سکون سے عاری
لیکن تو اُڑتے ہوئے ریت کی طرح پریشان اور
بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح مضطرب کیوں ہے؟ خیالات کے تلاطم
خیز سمندر میں کھویا ہوا اور کسی مرمریں مجسمہ کا سا ساکت!
کون سے دردِ جانگداز کی خلش تیرے قوی دل کو بیقرار کر رہی ہے

کوہ اشک بار! تیرا درد ہی لادوا ہے یا ان بڑھتی ہوئی
حرماں نصیبیوں کا کوئی علاج نہیں

بہار کی ایک صبح

وہ صبح! آہ وہ فردوسی صبح!! ہمارے مشرقی شاعروں
کے تخیل سے کہیں زیادہ دلکش اور کیسی حسین تھی... ہر چہار طرف
اک ملکوتی اور ضوفشاں نور چھا رہا تھا جس کی کیف آفرینی کو نسیم سحر کے
عطر بیز جھونکے اور عندلیب خوشنوا کے بہجت آفریں راگ اور بھی
دوبالا کر رہے تھے

یہی معلوم ہو رہا تھا کہ کہسار کی پری گہوارۂ مسرت
میں بیٹھی کوئی مدھرا گیت گا رہی ہے جسے سُن کر خوشیاں خواب شیریں سے
جاگ اٹھی ہیں اور عشرتیں لامتناہی سرگوشیوں میں مصروف ہیں
دِق کے مریض کی طرح نیم جان قدرت میں از سرِ نو
لرزش حیات پیدا ہوگئی ہے۔ کائنات کی بوقلمونیوں اور نت نئی رنگینیوں
میں فطرت بھی اپنے آپ کو مدہوش کر چکی تھی جیسے اپنے کھلونوں
سے کوئی بچہ کھیل کھیلنا بھول گئی ہو
"بحیرۂ عرب" کی شوخ و شنگ لہریں فرطِ مسرت سے

رقص کرتی ہوئی بہہ رہی تھیں ۔اک والہانہ انداز سے دائمی خوشیوں کے راگ الاپتے ۔سنہری ۔نازک ولطیف کرنوں سے کھیلتے اور نسیم صبحگاہی کی دلآویزیوں سے مدہوش

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے ہیجان آمیز سمندر سے اک چشمہ عشرت پھوٹ پڑا ہے جس کی سحر انگیزیوں سے فیضیاب ہونا کائنات کا ذرہ ذرہ اپنا فرض اوّلین سمجھ رہا ہے ۔

اللہ کبھی نہ بھولنے والی ہوتی ہے یہ صباحِ بہار بھی !!
نیچر کی خوابیدہ دلکشیوں میں روح پھونکنے والی اور تخئیل شاعر کا مخزن موضوع ۔شفق کی طرح رنگین اور قوس وقزح کی سی حسین ہوتی ہے ۔ہماری مشرقی صبح بہار ۔

کشتی حیات

بحر زیست کی متلاطم اور الھڑ موجوں پر اک تنکے کی طرح بہتی چلی جا رہی ہے جیسے کنول کے پھول پر اولین قطرۂ شبنم مرتعش ہو بادِ مخالف منزلِ مقصود سے بھٹکا کر اسے آلام ومصائب کی پہاڑیوں سے جا ٹکراتی ہے اور بادِ موافق کے کیف آفریں جھونکے اک سکون بخش طمانیت عطا کرتے ہیں

آغازِ سفر میں ہی مد و جزرِ حیات کے ہر ہر گرداب سے مقابل
آرا ہو رہی ہے ۔ سرابِ زیست ۔ طوفانِ حیات اور سیلِ آفاق جیسے
خوفناک نہنگ ہر وقت اپنے خون آلودہ منہ کھولے اسے نگلنے کو تیار ہیں
اور اُفق کے اُس پار فرشتۂ اُمید کی نورانی انگلی کا
اشارہ ۔ شعاعِ آس کی جھلک دکھاتا ہے

کبھی تو زیست کے بادبانوں سے ٹکرانے والے تُند
جھونکے اسے سطحِ حیات سے غائب کر دیتے ہیں جیسے آسمانی گہرائیوں
سے کوئی تارہ ٹوٹے اور فضا کے وسیع خلا میں کھو کر رہ جائے

اور کبھی زندگی کے سازِ پر مسرت بھرے نغمے الاپتی
ہے نیستی و ہستی سے نابلد اور کائنات کی ناصیہ فرسائیوں سے بے خبر
اس وقت کی منتظر ہے جب وقت کا خانہ بدوش
ڈاکو اسے ساحلِ فنا سے ٹکرا کر روپوش کر دے گا ۔ بالکل اسی طرح
جیسے کوئی حسین سنگریزہ سمندری لہروں پر دائرے بناتا بناتا
عمیق گہرائیوں میں کھو جاتا ہے

سحر شب

مشرق کا حسین شہسوار دن بھر کی ہنگامہ زا تگ و دو کے
بعد اپنی سنہری باگ مغرب کی طرف موڑ چکا ہے۔ شب کی سکون بخش
خموشی اور رعنائیوں سے معمور ایک کیف سرشار میں ڈبو دینے
والی محویت چپے چپے پر طاری ہے

فضا پر چھائے ہوئے خوبصورت خوابوں اور ماہِ نو کی
جھلملاتی ہوئی مدھم روشنی میں عروسِ شب کے سیاہ نقاب سے حسن و
جمال کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر کائنات کو اس طرح سحر زدہ کر
رہی ہیں جیسے یدِ بیضا نے عصائے موسیٰ کو عالم کی لا انتہائی وسعتوں
میں حرکت دیکر ذرّے ذرّے کو مسحور و مسخر کر دیا تھا

لیکن میری تفکرات سے ماندہ روح جمالِ قدرت کے
ان لطیف مناظر سے سکون حاصل کرنے کے ناقابل ہے

ہلکی ہلکی تاریکئ شب فضا میں تیر رہی ہے۔ لطافت
پاش فضا میں خوشبوئیں بھکی بھکی پھر رہی ہیں اور کائنات کا ذرہ
ذرہ فطرت کے فیاضانہ عطیات پر سر بسجود ہے

اس عالمِ کیف آفریں میں چاند اور تاروں کی

مسکراتی ہوئی روشنیاں رقص کرتی ہوئی گلاب کے تختوں پر چھن
چھن کر گر رہی ہیں جیسے زاہد بندوں کی مقبول دعائیں انوارِ تجلیات
کی گلریز بارشیں برسا رہی ہوں
لیکن میری روح نہ معلوم کیوں خزاں دیدہ پتے
کے مانند بھٹکتی پھر رہی ہے
شب کی دل فریب رنگینیاں خیاباں خیاباں
ترقی پذیر ہیں۔ آسمانی فرشتے اپنے سیمیں پروں سے
اہل دنیا پر سایہ فگن ہیں اور گیتوں کی پریاں آبشاروں
میں کھیل رہی ہیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے سرمست و شریر
جھونکے اک شانِ استغنا سے سیٹیاں بجا رہے ہیں
جیسے ربابِ مسرت کے سنہری تاروں سے ایک ساز سے
سُر نکل رہے ہوں
سر شئے فردوس گوش اور روحانی سرور سے سرشار ہے
کاش! میری مصروفیتِ حیات سے ماندہ
روح بھی فطرت کی عطا کردہ حقیقی مسرتوں سے لطف حاصل کر سکتی
اس وقت ہاں اس صورت میں ہر آنیوالی

شب میرے لئے خوابوں کے جزیرے سے نئے نئے
دلکش افسانے لاتی

ادوار زیست

وہ اپنے ننھے سے خوشنما گہوارے میں اک خواب
دیکھ رہا تھا۔ معصوم زندگی کا سہانا کیف آفریں خواب
وہ اک سرسبز و شاداب گلشن میں تھا جس کا ذرہ ذرہ
خزاں کے دستِ تاراج سے محفوظ تھا اور اُسکی خونچکاں داستانوں سے ناآشنا
معصومیت کی حسین دیوی اُس پر اپنے دامن کا سایہ
کئے ہوئے تھی اور عشرت کا نازک مزاج دیوتا بہجت اور
جاودانی مسرتوں کے کھلونوں سے کھلا رہا تھا
رنج و غم، حسرت و یاس اور رشک و حسد کے خونخوار
دیو، دور ہی دور سے خوفناک سُرخ سُرخ آنکھوں سے اُسے گھور رہے تھے
لیکن معصومیت کی دیوی کے فرغل کی اوٹ
میں وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر بےنیاز بیٹھا کھیل رہا تھا۔ کھیلے جا
حریص دنیا کی پُر فریب نظروں سے دور۔ خوابوں کے جزیرے
میں بیٹھا کھیلے جا۔

نہ معلوم کب ! زمانہ کے ہیجان آمیز سمندر میں تجھے
بھی۔ اک طوفان زدہ مسافر کی طرح گھسنا پڑے
کھیلے جا۔ جب تک امتداد زمانہ اور گردش آفاق
تجھے کھیلنے کی مہلت دے۔ کھیلے جا!

(۲)

وہ حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اک
خواب دیکھ رہا تھا۔ اُس ساحر دہر کا مسحور کُن خواب
وہ اک بھیانک جنگل میں شاہراہِ زیست طے کر رہا
تھا۔ اپنے مضبوط قوا اور امنگوں بھرے دل کے بھروسے پر
لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا جا رہا تھا
شہرت کا ننھا سا دیوتا روپہلی تاج پہنے اُس کے
سامنے آکر کھڑا ہو گیا
"زندگی کی اس کٹھن راہ میں تجھے میری فوری
ضرورت پڑے گی"...... دیوتا اک شانِ استغنا سے مسکرا کر بولا
تجھے بھی تیری ہی تلاش تھی۔ اے مقصدِ حیات کو نصف النہار
تک پہنچانے والی مقدس ہستی! میں تیری ہی رہبری میں زندگی
کا طویل سفر طے کروں گا" نوجوان نے لہجۂ انبساط میں جواب دیا

"خوشی کی ہر محفل تمہیدِ ماتم و الم ہوتی ہے۔ اور ہر بڑھتی ہوئی آرزو مرہونِ حسرت" اسیاہ چادر اوڑھے ہوئے حزن و ملال کے بھیانک دیو نے قریب ہی سے کہا

"میں تیری رفاقت میں سفر کرنے کو تیار ہوں اے عجیب المخلوقات ہستی" حیرت زدہ مسافر نے کچھ سکوت کے بعد مختصر سا جواب دیا۔

"زندگی کے ہر دور میں تجھے میرا سامنا کرنا پڑے گا۔ اے بےخبر نوجوان" زرد لبادہ میں ملبوس نا اُمیدی کی دیوی بولی

"حیاتِ فانی کے مایوس لمحات میں تجھے تیری ہی آڑ میں پناہ لینی ہوگی" پژمردہ نوجوان نے سر جھکائے ہوئے کہا

چلتا جا۔ فلسفۂ حیات کا مطالعہ کرتا اور سینۂ دہر کو چیرتا ہوا اسی طرح چلتا جا

نہ معلوم کب محوِ پرواز طائرِ وقت، تیری آرزوؤں کے بڑھتے ہوئے خواب، سراب کی اک لہر میں تبدیل کر دے چلتا جا

نغمۂ اضطراب کی ہر اضطراری لَے پر لرزتا نشۂ موسیقی میں لڑکھڑاتا چلا جا

(۱۳)

شباب رفتہ کے مٹتے ہوئے نقوش ہیں وہ اک

خواب دیکھ رہا تھا۔ اک مسافر کا آخری خواب

فنا کی پُرخوف اور مہیب گھاٹیوں میں وہ مصروفیت
حیات کی ہنگامہ زائیوں سے جھکا ہوا جا رہا تھا۔ عصائے پیری
کے سہارے قدم قدم پر سانسوں کی خوشبو میں موت کی نزدیکی
محسوس کرتا جا رہا تھا۔ ارغنونِ فنا پر فرشتۂ اجل کے آخری
راگ پر کھنچ رہا تھا

اُفق کے اُس پار عہدِ رفتہ کے دُھندلے عکس نظر
آ رہے تھے۔ اُسے تو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کی حیاتِ مستعار
کا کانپتا ہوا سایہ بھی اب اسی طرح غائب ہونے کو ہے

فرشتۂ اجل کی فرستادہ روحیں اسے بار بار
ڈرا رہی تھیں اور بحرِ فنا اک لپٹے ہوئے خوفناک جن کی طرح
کشاں کشاں اپنی طرف کھینچ رہا تھا

فضائے بعید کی ہیبت ناک پہنائیوں اور ہولناک
گہرائیوں میں ناکامی اُس پر قہقہے لگا رہی تھی اور شرمندۂ تکمیل
ارمانوں کا حصار قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کر رہا تھا

بڑھتا جا۔ جب تک زندگی کی الجھنیں اور
دنیاوی شورشیں خاموش نہ ہو جائیں۔ بڑھتا جا۔

نہ معلوم کب یہ خواب حقیقت بن کر اپنی ہی ہر ایک
تعبیر کو درجۂ تکمیل تک پہنچا دے
بڑھتا جا۔ جب تک جامِ عمر لبریز ہو کر کفِ دستِ
ساقی کو چھلکا نہ دے۔ بڑھتا جا۔

التجائیں

بربطِ حیات کی اضطراری لے لرزتی لرزتی ساکت
ہونے کو ہے اور اُس کا ہر ساز مائل بہ انحطاط۔ جیسے جھاگیں بہاتی
اور چکر کاٹتی کوئی لہر یک بیک مچل کر مٹ جائے
مقدس داور! ایسے اک لافانی گت عطا فرما دے کائنات
کی وسعتوں کو اپنے آخری نغمے سے سرشار کر دینے والی گت
ماضی کا گرد آلود آئینہ درہم پڑتے پڑتے معدوم
ہونے کو ہے اور ہر بڑھتی ہوئی آرزوئے حیات مرہونِ یاس
جیسے نسیمِ خزاں کے پُرسوز جھونکے۔ کائنات
میں ارتعاش پیدا کر دیتے ہیں
اک آقا! دلِ پُر درد کو قوتِ ضبط عنایت کر
اور اُس کے گوشے گوشے کو مانوسِ برداشت۔

تفکرات دہر سے روح وقف اضمحلال ہے اور سرگزشت
ہستی دم بخود صورت بیمار ...... جیسے اولین شعاع آفتاب
سے نوخیز کلی پر مُردنی چھا جاتی ہے

معبود! اپنی تقدس آبی سے اِسے طاقت مصفا بخش
دے اور جذبۂ عبودیت کو حیاتِ تازہ! دن کی روشنی آہستہ آہستہ
شام کے دھندلکے میں تبدیل ہو جاتی ہے اور لیلائے شب کائنات کا
نقشہ پلٹ دیتی ہے لیکن میں درِ تخیل پر منظرِ خواب کی طرح پُر اسرار
نقوش میں بابِ استجاب کو وا دیکھنے کے لئے بیتاب ہوں

ربِّ کعبہ! افسردہ نگاہوں کو سکون دائمی عطا کر دے
اور تھکی تھکی روح کو کیفِ سرمدی

خطاب بہ شہر خموشاں

پُر اسرار شہر خموشاں! مجھے درس ممات نہ دے
آہ! اس باب کو اس شدّ و مد سے نہ دُہرا۔ مجھے معلوم ہے کہ
وجودِ اجل ہی تیرا حاصلِ کائنات ہے

تیری بھیانک سی دیوار اور الم ناک فضا اس
جسم فانی کو کچھ دیر کے لئے کپکپا دے یا نوحہ گر تو اور خون آشام

چمگادڑیں اس پر ایک عارضی لرزہ طاری کر دیں

لیکن میری روح! وہ تو ہر لمحہ آزاد ہے اور کسی

محوِ پرواز طائر کی طرح بے پروا

مسکنِ اجل رسیدگاں! تیری لرزہ خیز داستانیں

مجھے متوحش کر دیں لیکن میرے تصوّرات کی وادیوں کو اس سے

کیا تعلق ...... وہ عالمِ رویا کی سی وسیع وادیاں! جو غیر مرئی

اور نورانی قندیلوں سے لمعہ افگن ہیں

وہاں قدرت کسی جاں بلب مریض کی طرح لرزاں

نہیں بلکہ ہر وقت حیات نو سے مستفید ہوتی رہتی ہے

وہاں چنبیلی اور گلاب کی جھاڑیوں میں ہوا آہیں

نہیں بکھیرتی بلکہ بربطِ مسرت پر ابدیت کے راگ الاپتی ہے

جس طرح طیور کے قافلے، قیامِ شب کے لیے

آشیانوں کا ہی سہارا ڈھونڈتے ہیں اسی طرح! تیری

گہرائیوں میں روپوش ہونے سے مجھے بھی عار نہیں

لیکن رازِ حیات اس عارضی "فنائیت" میں تو

نہیں نہیں! تیری آغوش حیاتِ جاودانی کا تتمہ ہرگز نہیں

مجبوری مجبوری سخت قبر جہد خاکی کی مالک ہے

تو ہوا کرے لیکن روح کو اس سے کیا واسطہ وہ تو اب بھی آسمانی بلندیوں
پر مصروف خرام ہے اور وہاں کی لامحدود فضا میں ستارۂ سحر کی طرح رقصاں
پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ "تارِ نفس" فنا کی غمگین راگنی
ہی الاپنے کے لئے بنایا گیا ہے
غارت گر شہر خموشاں! میری بیچارگی پر متفخر نہ ہو
اپنی حیات کا ماخذ اسے سمجھنے سے مجھے انکار ہے
آفتاب کی تمازت خیز شعاعیں سینۂ کائنات
پر آگ برساتی ہیں
لیکن شب تاریک کا پہلا ہی سایہ اسے ٹھنڈا کر دیتا ہے
اسی طرح! میرے فانی جسد کو موت کے گرجتے
ہوئے شعلے جلا کر خاکستر کر دیں
لیکن روح! ہاں دائم و قائم روح!! وہ تو اب بھی
آسمانی پہنائیوں میں مامون و محفوظ ہے اور اہلِ دہر کی مسرت و
افسردگی میں برابر کا حصہ لینے کو تیار
مٹ مٹ کر ابھرتے ہوئے نقشِ حیات کو "بے ثبات"
سمجھ کر میں اپنے تخیلات متزلزل نہیں کر سکتی۔ اسلئے اے بے پناہ
وادیٔ اجل!! اپنی لرزہ خیزیوں سے مجھے نہ ڈرا۔

سرگوشیاں

دور! کسی ویران کھنڈر سے معمر اُلّو کی ڈراونی آواز
آرہی ہے جیسے فضا کی خواب آلود گہرائیاں زیروزبر ہورہی ہوں
سنڑوا کا محبوب فلسفی! تفسیرِ حیات کا مطالعہ ایک
نئے زاویہ اور لرزہ بر اندام کُن نقطۂ نگاہ سے کر رہا ہے
شمع کی تیز تیز روشنی کو نسیم کے ایک ہی تند جھونکے نے بجھا دیا
مادرِ وطن! تیری آغوش میں ہزاروں روحیں جنم
لیتی ہیں "چراغِ کاشانہ" ہوتے ہوئے بھی "شرمندۂ چراغ"......
اور گناہ بغربت میں معمولی سی ٹمٹماتی ہوئی لَو سے بھی بے نیاز
موسیقی کی دھیمی دھیمی آواز آرہی ہے۔
اندھیرے کا سینہ چیرنے والی سہانی سی آواز
سنو! سنو!! کہیں فطرت کی شوخ پری اپنے کھلونوں
پر سرگرم نوازشات تو نہیں
اُس کا وہ "غرقِ الم" اور "شناورِ حسرت و یاس"
کر دینے کا پسندیدہ مشغلہ!! صبح کے پُرکیف اور چمکیلے سمے میں
عندلیبِ دل گرفتہ محوِ گریہ ہے۔

شاید خارِ گل نے کوئی بھولا ہوا افسانہ یاد دِلا دیا —
یا یادِ آشیاں دل میں کانٹے چبھو رہی ہے

بے قرار موجو!

بے قرار موجو! تم اس طرح آوارہ خرام کیوں ہو؟
کیا بحرِ بے پایاں میں کوئی بھی جائے آرام نہیں یا کوئی غیر معمولی خلش بھتیں آمادۂ مسافرت کر رہی ہے۔ آخر وجہ حرکاتِ پیہم کیا ہے
جھاگیں بہاتی موجو! کونسی تلخ حقیقت کے تجربے کے لئے تم ہر شے کو ٹھکراتی ہوئی آگے بڑھتی ہو۔ لیکن وہ کیا درسِ عبرت ہے جسے ساحلِ سمندر سے سُن کر اپنے آپ کو بھی بھول کر فنا ہو جاتی ہو۔ پاش پاش ہو جاتی ہو اور سمندری جھاگ میں تبدیل شدہ اک مشتِ خاک

یہ سمندر! آہ یہ شعلہ جوالہ سمندر!! یہ تو نیستی و ہستی کے راگ الاپتا بہتا ہے۔ ابتدائے آفرینش کے قصّے اسے ازبر ہیں اور ہزاروں رنگین داستانیں اس کی تہہ میں پوشیدہ
عناصر قدرت کی چڑھی ہوئی چتون بھی اس کے عزمِ راسخ میں خلل انداز نہیں ہوتی

تو پھر سیماب وار موجو! تم اپنے وجود کا راز پوچھنے کو
کیوں مچل رہی ہو جب کہ "ماحصل حیات" ہی دم بخود رہنے اور
پراگندہ خوابی میں ہے
"صورتِ سوال" ہوتے ہوئے بھی یہاں "صدائے
برنخواست" جواب ہے
اسلئے موسم سرما کا خوفناک سمندری طوفان دہر پر قیامت
لائے یا ساکت و صامت سطح پر حباب رقص کناں ہوں
یوں بن بن کر بگڑنے اور ابھر ابھر کر مٹ جانے سے کیا حاصل
جب کہ نظام کائنات ہی ہر ہر خستگی حیات سے مقابلہ
کرنا ہے اور اپنے آپ کو اس کی وسعتوں میں پنہاں
محوِ خرام موجو! تم منزلِ مقصود تک پہنچتے پہنچتے
اس طرح غایب کیوں ہو جاتی ہو جیسے شب دیجور کی سیاہی
میں صدہا ایسی صورتیں نہاں ہو جائیں
غالباً صورتِ حال تمھارے حسبِ حال نہیں
لیکن وجہ نمودِ دہر تو یہ ہے کہ فطرت کی شوخ پری کا
نشانہ بنو اور عناصرِ قدرت کی تیکھی چتون کا تازیانہ
اور اس پر بھی لمحاتِ حیات ار ستم اگر می روم" کی

مصداق گزانتہائی حدِ مردانگی ہے

اس لئے شوریدہ سر موجو! عنصرِ زیست کا خیال چھوڑ دو۔ یہ بڑھتی ہوئی سودائیت ہے اور خلافِ قانونِ قدرت

خفتہ نصیب

دہر پر نیند کی ہلکی ہلکی مدہوشی چھا رہی ہے۔ ستاروں کی کپکپاتی ہوئی لاانتہائی دنیا میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں اور سکون کا فرشتہ کائنات پر اپنے سفید پر پھیلا رہا ہے۔ فضا پر اک کیف آفریں لرزش طاری ہے جیسے نشۂ موسیقی سے لڑکھڑا رہی ہو

ایسے وقت میں جب کہ کائنات محوِ خواب ہے اک بیکس بے بس اور مظلوم مزدور خیالات کی لہروں میں کھویا ہوا ہے۔ اپنے تھکے ہوئے بازوؤں سے مصروفِ شناوریٔ دریائے الم ہے اور جرعاتِ تلخ سے لبریز جامِ حیات کی واماندگی پر نالاں

مزدور دکھی ہے اور اُس کی روح ناسازگاریٔ روزگار کی شاکی! اسے آنسو بہانے سے نہ روکو۔ عناصرِ قدرت کی چڑھی ہوئی چتون پر کفِ افسوس ملنے دو۔ ہاں تم لطفِ حیات لوٹو مسرت و نشاط سے بہرہ اندوز ہو اور اپنے بہار آفریں سانسوں سے

کائنات میں طوفانِ رنگ و بو بکھیر دو
کیونکہ مایا دیوی تم پر مہربان ہے اور لکشمی دیوی سایۂ فگن
تمھاری تقدیر بیدار ہے اور روح شاداب
لیکن یہ بیچارہ مزدور! دن بھر کی مشقت سے اُس کا
بدن چور چور ہے اُس کا قلب شکستہ ہے اور روح ریزہ ریزہ
اشیائے خورو نوش سے یہ تہی دست ہے اور لوازم
حیات کے نام سے ہر شے اُس کے پاس عنقا۔ صحرا کی ریت کی طرح
پریشان اور آسمان کی ابر آلود چھاتی کی طرح اشکبار مزدور کا
تمسخر نہ اڑاؤ کیونکہ یہ خفتہ نصیب ہے۔
لیکن جس طرح پلنگ خفتہ۔ بیدار ہوتے ہی درندگی
بربریت کا حامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مزدور بھی اُٹھے گا۔ جبر و
تشدد اور صدیوں کے مظالم کا بدلہ لینے کے لئے۔ اسوقت مظلومیت
خراجِ تحسین حاصل کرے گی اور سرمایہ داری طوقِ غلامی۔ فی الحال
تو اس کا نصیب خفتہ ہے۔ اسے خاموش ہی رہنے دو

تاریکی

سورج کا چہرہ زرد پڑتے پڑتے آخر معدوم ہو گیا اور

شفق کی نارنجی رنگت شب کی سیاہی میں ڈوب کر رہ گئی ہے
جیسے چلتی چلتی نبضِ حیات کچھ دیر کے لئے تھم جائے۔ اب کسی زخمی
گدھ کی طرح چلّاتی ہوئی ہوا ہے اور رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی
کسی کے نصیب خفتہ کی طرح گہری گہری تاریکی

آسمان کے نیلے سمندر پر چاند اور تارے پھولوں کی طرح
کھلے ہوئے تھے اُن کی خیرہ کُن درخشانی قابلِ دید تھی اور تابشِ تبسم
قابلِ تقلید۔ ایکا ایکی ضیائے صباح نے انھیں اپنی پہنائیوں میں لے
لیا۔ نہ معلوم کون سے غیر مرئی گوشوں میں غائب از نظر کر دیا

اب وہ تاریکی میں ہیں کسی بے پایاں تاریکی میں
زندگی کی کتنی روشن صبحیں گزر گئیں۔ کنول کی
پتّی پر لرزاں قطرۂ حباب کی سی ناپائیداری سے افسانۂ پارینہ
ہو گئیں۔ اب کوئی شعاعِ آس نہیں اور یاس کی تاریکی پیش
از پیش ...... اور وہ خنک اور درخشندہ راتیں۔
جب مسرت و نشاط لازم و ملزوم نظر آتے تھے اور اُن کی
برقراری لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر
لیکن اب دامنِ ایام میں انھیں ٹٹول ٹٹول کر
تلاش کرتی ہوں پر لاحاصل۔

کاش! میں جذبۂ احساس کو ہمیشہ کے لئے فراموش
کرسکتی یا نہیں تو پھر عناصرِ قدرت کی وارفتگی کے دامن میں پناہ گزیں
اللہ یہ تاریکی! یہ قبر کی سی خوفناک تاریکی!!

مطالعۂ کائنات

رات شعریت سے لبریز اور پُرسکوت ہے۔ دہر کا
ذرّہ ذرّہ شب کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ صرف اک ڈرتا
اور کانپتا ہوا ستارہ آسمان کے خلا میں چمک رہا ہے
اس کے سوا نہ محفلِ ماہ و انجم ہے نہ کرمکِ شب تاب
کی روشنی + ... ایسے وقت میں میں دریچے میں کھڑی دنیائے تصوّر
کو بگڑتا اور بنتا دیکھ رہی ہوں۔ مطالعۂ کائنات میں اک عالم
بیخودی میں غلطان و پیچاں ہوں
کبھی کبھی زخمی گدھ کی طرح تیز و تند ہوا زور سے
چلّا اٹھتی ہے جو قلب کی گہرائیوں کو کچھ دیر کے لئے متزلزل
کر دیتی ہے یا جھینگر اپنی داستان اک دردناک پیرائے میں بیان کرتے ہیں
اس کے سوا سکوت ہے۔ کامل سکوت! جیسے
خاموشی نے اپنا دل نکال کر خطۂ زمین پر بکھیر دیا ہو

لیکن میں اسی طرح غرقِ تصور دریچہ میں کھڑی ہوں
خیالات بادلوں کے پریشان ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے کا
تعاقب کر رہے ہیں اور اشتیاقِ مطالعۂ کائنات مجھ پر کسی
خواب آور دوا کا سا اثر کر رہا ہے
سفیدے کے شاندار درخت چپ چاپ سر جھکائے
کھڑے ہیں کبھی کبھی ناسازگاریٔ موسم سے سوکھے ہوئے پتوں کی
سرسراہٹ سنائی دے جاتی ہے
اور سب خاموشی ہے۔ شہرِ خموشاں کی سی خاموشی!
ملکۂ خواب نے ہر ذی روح ہستی کو اپنے دامن
میں لے لیا ہے اور شب کے سیاہ سائے بامِ افلاک پر بڑھ رہے ہیں
دہر خوابِ فراموشی میں محو ہے لیکن میری گھبرائی
ہوئی آنکھوں میں نیند نہیں آتی ---- میں اب بھی
بحالتِ خود فراموشی دریچہ میں کھڑی ہوں اور مطالعۂ کائنات کا
بڑھتا ہوا جنون اس سمندِ شوق پر تازیانہ ثابت ہو رہا ہے

ناصح سے

اپنی بڑھتی ہوئی تاویلات سے مجھے لاجواب کرنے

کی کوشش نہ کر۔ تیرے نصائح میرے مغموم دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ کلامِ خدا اور حدیثِ نبوی کا حوالہ نہ دے۔ ان مقدّس اسباق سے میں کچھ ناآشنا نہیں صبرِ ایوب اور ضبطِ یعقوب میرے لئے نئی باتیں نہیں

آہ غضب! تو چاہتا ہے کہ میں آہ و زاری نہ کروں اپنی پامال جنّت کو نگاہِ یاس سے دیکھوں اور اُف نہ کروں آخر وہ جذبۂ استقلال کہاں سے لاؤں کہ اپنی بربادی کی تصویر دیکھتی رہوں اور وہ بھی بصورتِ خاموشی۔ اس قدر سنگدل نہ بن ناصح

واعظِ تنگ نظر! تو رموزہائے پنہاں سے واقف نہیں۔ ان بے پایاں خلشوں سے تجھے کیا واسطہ جو میرے قلب و جگر کو برما رہی ہیں۔ میری روح کو گہرائیوں تک زیر و زبر کر رہی ہیں۔ اُف! تجھے تو صرف زبانی جمع خرچ آتا ہے ورنہ کسی دل گرفتہ شاعر سے پوچھ کہ اس کے نالے کیسے غیر اختیاری ہوتے ہیں۔ کسی گم کردہ منزل مسافر سے پوچھ کہ منزلِ مقصود کیا ہے؟ مجھے ملامت نہ کر ناصح! کہ میں متاعِ صبر و قرار ہاتھ سے دے چکی ہوں۔ جب وجہ ہستی ہی دہر سے منہ موڑ چکی ہو۔ تو میری حیات بے کار ہی کیا؟

اُف اُف!! یہ نہ کہہ کہ یہ تو محض اک تودۂ خاک ہے
جس کے لئے میں اس قدر وارفتہ خاطر ہو رہی ہوں۔ یہ تو میری دائمی
آرزوؤں کی آرام گاہ ہے۔ یہاں میری تمنائیں دفن ہیں
اور دنیائے اُمید خفتہ!

یہ تو اُس ہستی کا مسکن جاودانی ہے جو حیات کی
پُرلطف منزلوں میں مجھے عزیز از جان تھی۔ کیا تن کا تعلق جان
سے کچھ بعید ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو مجھے اس خوابِ فراموش
سے بیدار ہونے پر مجبور نہ کر

اتنا بے درد نہ بن ناصح! کہ جسمِ بے جان اور گلِ بے بو
کی قربت کا فائدہ ہی کیا

آہ تجھے کیا معلوم! کہ اس پُر سکوت قبر سے
مجھے کس قدر روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے

محبت تو درجۂ خاموشی کو پہنچ کر ہی پایۂ تکمیل
کو پہنچتی ہے۔ جب اُس کے اظہار کے لئے اک ہلکی سی
سرگوشی کی بھی ضرورت نہیں رہتی

آہ ناصح! تنگ نہ کر از بہرِ خدا، اپنی نصائح
کے طوفان سے میری روح کو اور بھی مجروح نہ کر۔

مجھے اپنے مدفنِ آرزو پر دل کھول کر آنسو بہا
لینے دے۔ میرے ناتوان ہاتھوں سے مَس کی ہوئی ریحان
کی پتیاں، میرے مطلوب تک خود ہی اس تڑپ کو پہنچا دیں گی

پس منظر

روپہلی پروں والی تتلی گلاب کی جھاڑی کے
گرد رقص کر رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دیوتاؤں کے
جزیرے سے کوئی معصوم پری اتر آئی ہو۔ یہ جھلملاتی اور چکر
کاٹتی بادی النظر میں مسرور نظر آتی ہے اور اپنی موجودہ
حالت میں دیوارِ قہقہہ

لیکن کون جانتا ہے کسے معلوم ہے کہ اس
ظاہری برقراری میں کتنی بے قراریاں پنہاں ہیں کونسی بڑھتی
ہوئی خلش اس کے معصوم قلب کو مضطر کر رہی ہے

تلاش بقائے جاوداں یا جستجوئے خوشبوئے گلہائے رنگین

دامن کوہسار سے پہاڑی جھرنا بہہ رہا ہے۔ صبح کی
چمکیلی روشنی سے درخشاں جیسے جوئبار نور پھوٹ رہی ہو
اس کے والہانہ راگ دنیائے قدسیت سے

آتے معلوم ہوتے ہیں اور خوشیوں کا ذخیرہ جیسے کہ
ایک ایک لہر میں پنہاں ہے

لیکن اللہ! پس منظر کیا ہے؟ ہر لمحہ کون سی دلدوز
کسک اسے چٹانوں سے ٹکرانے پر مجبور کرتی ہے؟ اسکی گہرائیاں
مجھے تو متزلزل نظر آتی ہیں اور سطح لرزاں

تجسس منزل مقصود اس کا باعث اضطراب ہے یا
تلاشِ سکونِ دائمی

رات کی تاریکی میں سرو کا درخت کسی پُر کیف
احساس سے کانپ رہا ہے۔ شمیم عطر بیز اسکی ننھی ننھی شاخوں سے
اٹکھیلیاں کرتی ہے اور ساکنانِ چمن ہلکی ہلکی سرگوشیاں

لیکن مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاموش سا حسین
سوگوار کسی غم میں مبتلا ہے۔ بساطِ آسمان میں پوشیدہ کسی ہستی
کی جستجو اسے پریشان کر رہی ہے اور کبھی سر نہاں کی خلش
نیلگوں بلندیوں کو تکتے رہنے پر مجبور

دہر کا ہر ذرۂ خاکی مضطرب ہے اور متلاطم لہروں کے
طوفان میں گھرے ہوئے حباب کی طرح لرزاں۔ اللہ! کس قدر
دہشتناک ہے۔ اسرارِ حیات کا یہ پس منظر!!

تاثرات

شام کے ہلکے سے ملگجے سمے میں ہوا درختوں میں سنسنا رہی ہے
گھنی جھاڑیوں میں پوشیدہ جگنو کبھی کبھی چمک اٹھتا ہے جیسے اک
ہلکی سی نقرئی شمع بجھ بجھ کر جل رہی ہو اور دن بھر کی تھکی ماندہ
کائنات یک لمحۂ آرام کی منتظر ہے

ایسے پرکیف وقت میں میری روح بیقرار ہے اور
پیکرِ فانی سے نکل کر فضاؤں میں منتشر ہونے کو اس طرح بیتاب
ہے جیسے پرسکوت ساز کے سینہ میں متلاطم نغمہ

درختوں کی آڑ سے شبِ ماہتاب جلوہ افروز
ہو رہا ہے۔ جھلملاتے ہوئے تارے بساطِ آسمان پر نمودار ہو گئے
جیسے سینکڑوں چمکیلے پھول کھل رہے ہوں اور رات کے تاریک
سائے دھیرے دھیرے رینگتے ہوئے بڑھ رہے ہیں۔

میرے منتشر خیالات کی طرح! جو فضاؤں میں
اس طرح آوارہ ہیں جیسے کوئی پروازکناں پرندہ جس کا کہیں مسکن ہو نہ ٹھکانا
دہر کے ذرّے ذرّے پر تاریکی چھا رہی ہے۔ اور
شبِ دیجور کی سی سیاہی .... اندھیرے آسمان پر چاند تن تنہا

چمک رہا ہے جیسے کسی کی تقدیر کے اُفق پر درخشاں ستارہ اُبھر رہا
ہو اور کوہستان کی پہاڑیاں شب کے پہرہ داروں کی طرح ساکت ہیں
لیکن میری اُداس روح کسی مخفی احساس سے لرزاں
ہے جیسے متلاطم لہروں میں اک حباب بکھرا ہوا ہو
طاقتِ پرواز زائل ہے اور نبضِ حیات قریب الختم
مالک! یہ فراموش خواب اور یہ پارینہ افسانے
میرے تخیلات پہ گم شدگی کیوں طاری کر رہے ہیں یہ ربطِ حیات
کا چھینا ہوا لقمہ اور کون سی گت کا انتہائی شے ہے۔

کٹھن گھاٹی

وقت ایسی رفتار سے گزر رہا ہے جیسے کوئی تیز پا آہو
صحرا میں مصروفِ خرام ہو۔ آسمان پر کالے اور نیلے بادل لہرا رہے ہیں
اسی طرح جیسے میرے اُفقِ دل پر مختلف خیالات چھا رہے ہیں
زندگی کی کٹھن گھاٹیاں اور بے پناہ وادیاں میری
دنیائے تصور پر لرزہ طاری کر رہی ہے
مسعود! کائنات وسیع و طویل ہے اور میں شکستہ پا اور
واماندہ ... کیونکر طے ہو سکیں گی۔ اس کی یہ لاانتہا پہنائیاں

سورج جنوب مغربی سلسلہ ہائے کوہ کے پرے جا رہا ہے
دن بھر کی مسافت بخندہ پیشانی ختم کر لی
لیکن میرا سفرِ حیات ... آہ! اس کی تو ابھی
منزلِ اوّلین ہی ہے۔ یہ کب اور کیونکر طے ہوگا
جہاں گرد طیور کے قافلے اپنے اپنے آشیانوں
میں قیام پذیر ہو گئے نیلی آسمانی گہرائیوں میں اک چیل
منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے غلطاں ہے
اور میں ایک عالمِ سکوت میں دہر کی وسعتوں
کا اندازہ لگا رہی ہوں۔ دل وحشت زدہ ہے اور روح
کسی پوشیدہ خوف سے جنباں
جیسے جھیل کی گہرائیوں میں مہتابی شعاعیں لرزتی ہوں
الامان! میں کیونکر طے کر سکوں گی؟ یہ طویل
شاہراہِ حیات۔ یہ زندگی کی کٹھن گھاٹی۔

موت سے

اپنے سیاہ لبادے کی پرشور سرسراہٹ سے
مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کر تیرے وجود سے میں ناآشنا

نہیں۔ اپنی فرستادہ روحوں کو بار بار بھیج کر یاد دہانی نہ کرا۔ روزِ اوّل سے ہی یہ سبق تو میرے ذہن نشین ہے۔ خوفناک چہرے والی موت۔ اپنی ہستی سے مجھے نہ ڈرا۔ درسِ فنا تو میں بھول ہی نہیں سکتی۔

جب زندگی میں شادابیٔ حیات کا رمق باقی نہیں رہتا اور اُس کی بڑھتی ہوئی خواہش اک دیوانے کا خواب معلوم ہوتی ہے۔ جب فضا خزاں آشنا اور کائنات دھند سے دھندلا کُہرے میں ملبوس ہوتی ہے اُس وقت جذبۂ رحم سے نا آشنا موت تیری للچاتی ہوئی خون آشام نگاہیں کسی بے کس و بے بس صید پر پڑتی ہیں اور تیز و تند پنجے و ناخون۔ خونِ ناحق سے سُرخ ہونے کو بیتاب ہوجاتے ہیں

اور تو! اے بے مہر و جابر موت!! اپنی سرد اُنگلی کے مَس سے انسانی آرزوؤں کو شرمندۂ تکمیل کردیتی ہے۔ اُس کی ہستی اک فسانۂ پارینہ ہوجاتی ہے اور اُسکی جد و جہدِ حیات اک بھولی ہوئی داستان

اور! اور!! ایسے روح کو لرزا دینے والے سمے میں تو اپنی کارگزاریوں پر خود ہی قہقہے لگانے لگتی ہے۔ کس قدر ظالم ہے تو اے موت! اور کیسی ناآشنائے خزان و بہار۔

وہ حسین مورتیں جن کی تخلیق پر مصورِ قدرت کو ناز تھا
تقدس مآب روحیں جن پر قدوسیت کو افتخار تھا اور پاک و معصوم
مورتیں جن کے دامن نچوڑنے پر فرشتے وضو کرتے
تیری محض اک جنبشِ لب سے قبر کی عمیق و ڈراؤنی
گہرائیوں میں نہاں ہو جاتی ہیں
اُف ! اُف !! مجھے تو ڈر ہے کہ دل کی بجائے
قدرت نے مجھے اک سیلِ یخ ودیعت کیا ہے
تیرا وجود اک خوفناک اژدہے سے کم نہیں
جو ہر لمحہ پھنکارے مار مار کر لمحاتِ حیات آفریں کو زہریلا کرتا رہتا
ہے ..... یا نہیں تو اک ظالم صیاد ... ! .. جو محوِ پرواز
طائر کے قلب و جگر پر دلدوز تیر برساتا ہے۔ انھیں نغمۂ پرواز
الاپنے سے پیشتر ہی پر شکستہ اور خون غلطیدہ کر دیتا ہے
کیسے کیسے بھیانک انقلابات کی وجہ نمود ہے
تو اے موت !! اور کیسی .... کیسی ہیبت و دہشتناک

برگ خزاں دیدہ

خزاں کی ایک پر سکوت سہ پہر تھی۔ ناآشنائے امروز

و بے نیاز فردا چمن پر اک آفتِ ناگہانی غالب تھی۔ اور اک
اُجڑے ہوئے کنج میں بلبلِ الم رسیدہ مفارقت کے گیتوں میں مستغرق
اک عجیب اور ہلکے ہلکے خواب کا منظر تھا جیسے دن
کی روشنی آہستہ آہستہ شب کے دُھندلکے میں تبدیل ہو رہی ہو
کبھی کبھی ہوائے گرم کے جھونکے جھکی ہوئی ٹہنیوں
سے مَس کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ اجل کے ہرکارے بن کر
آئے ہیں یا کسی بیرحم گلچیں کا دستِ تعدّی
برگِ خزاں دیدہ یہ منظر دیر تک برداشت نہ
کر سکا۔ اُس نے اپنے رفقائے قدیم سے ہلکے ہلکے سروں میں سرگوشی
کی اور اُجڑتے ہوئے چمن کو نگاہِ یاس سے تکتا خس و خاشاک
کے ڈھیر پہ آ پڑا
متاعِ حیات فرشِ خاک پر بکھری دیکھ کر اُسے
اِس نہ تھا نہ شاخِ حیات سے علحدگی کا غم
اُس کے لئے تو استواریٔ خزاں نا استوار
بن کر آئی تھی اور حاملِ افسردگیٔ دائمی
نونہالِ چمن کو اس حال میں دیکھ کر سب ساکت تھے
جیسے کوئی بھولی ہوئی کہانی یاد آ گئی ہے یا اپنی بے چارگی

کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھچ گیا ہو

صرف اک دم واپسیں سرسراہٹ زبان بے زبانی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ نہ معلوم کیا؟...... کہ عندلیب دلگرفتہ اپنا ننھا ننھا سا دل تھام تھام گئی اور فضا میں پرواز کناں تتلی نے بے اختیار اپنے پر جوڑ لئے اور وہ بیچارہ برگِ خزاں دیدہ! بگولوں کے ساتھ ساتھ چکر کاٹ رہا تھا جیسے بقائے بہار کا راز حل کر کے رہے گا۔ اپنی ہستی کو مٹا کر اور اپنے وجود کو ناپید کر کے۔

ایک سوال

سرسبز و شاداب پتے فرطِ مسرت سے تالیاں بجا رہے تھے۔ عروس سحر کا استقبال زبانِ بے زبانی سے کر رہے تھے جیسے ساز کے پُرسکوت تاروں میں متلاطم نغمہ کانپ رہا ہو

ایکا ایکی شمال مغربی جانب سے ایک تیز سا جھونکا آیا ہر برگ و خار جیسے کہ لرز کر رہ گیا۔ فرطِ بہجت سے جھومتی ہوئی ٹہنی سربسجود ہو گئی اور وہ پتے۔ بیچارے پتے!! چمن کی لطف اندوزیوں سے بہرہ یاب ہونے سے پہلے ہی گلشنِ ہستی سے علیحدہ ہو گئے

اکثر راندۂ درگاہ پتّوں کو دیکھ کر میں سوال کرتی ہوں
کارکنان قضا و قدر سے پوچھتی ہوں کہ میری موت کہاں چھُپ
رہی ہے۔ وہ کب شجرِ حیات سے مجھے نوچ کر پھینک دیگی؟ زندگی
کی ایک ایک پتی کو اُس کی شاخ سے علیحدہ کر دے گی......

اسی طرح! جیسے صیّاد کا دستِ تعدّی اپنے
صید کو بیگانۂ آشیانہ بنا دیتا ہے

محفلِ بوم

رات تاریک ہے سنسان اور معمول سے زیادہ خاموش
نیند کی گہری گہری مدہوشی کائنات کو حلقۂ دام میں لا چکی۔ پُر شور
سمندری موجیں کسی ننھے سے معصوم بچے کی طرح محوِ خواب ہیں
کبھی کبھی کوئی گم کردۂ آشیاں طائر پھڑپھڑاتا
ہوا گزر جاتا ہے یا کسی شب بیدار دیوانے کی عالمِ جمود کو توڑ دیتی ہے
اور سب خاموشی ہے ایک پُر اسرار طلسمی سی خاموشی
ایسے پُر سکوت سمے میں چند اُلّو کسی مسئلے پر
رائے زن ہیں فلسفہ کے پرستار کوئی الجھی ہوئی گتھی سلجھا رہے ہیں
سوادِ شب آماجگاہِ سیاہی ہے۔ اٹھائیسویں کا

اُداس چاند دہر کا جائزہ لے رہا ہے اور ہر ذرّہ عالمِ خاموشی
میں سر جھکائے ہوئے ہے
کبھی کبھی ٹوٹے ہوئے کھنڈرات سے اک ڈراؤنی آواز
اندھیرے کا سینہ چیر دیتی ہے ...... اور ویرانے کی فضاؤں
میں اُلّو سرگرمِ گفتگو ہیں
اور سب سکوت ہے۔ موسمِ خزاں کی افسردہ
سہ پہر کا سا سکوت
کبھی کبھی کوئی سوکھا ہوا پتّہ کھڑکھڑانے لگتا ہے
ببیلی کی جُنباں بیلوں سے سرد جھونکے سرگوشیاں کرتے ہیں لیکن
جہاندیدہ اُلّو بڑے شدّ و مدّ سے مصروفِ کلام ہیں سر ہلا ہلا کر
اظہارِ رائے کر رہے ہیں جیسے اشرف المخلوقات انسان
کی کوتاہ نظری پر خندہ زن ہوں۔ شاید اس سوچ میں غلطاں
ہیں کہ انسان کی ہستی مجموعہ ہے "ہوا و ہوس کا"۔ مرکّب بہ
ترکیباتِ متضاد اور مشتمل بر خوابِ ہائے سراب آسا

مقدّس رُوح

ننھی سی حسین تتلی گلشن میں مصروفِ خرام ہے

روپہلی سنہری اور چمکیلے پروں میں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے
فردوس کی لطافت آفریں فضا سے اُتر کر ارتعاشِ نور پھیلا رہی
ہے اور جھلملا جھلملا کر سب کو مائل بہ عبودیت کر رہی ہو
خیاباں خیاباں چکر کاٹتی تتلی مجھے تو معصومیت کی
تصویر نظر آتی ہے۔ سطحِ دہر کی تلاطم خیزیوں سے بے نیاز اور
اُس کے سیل و گرداب سے بالا بالا
دیروز کا اسے کچھ غم نہیں۔ اندیشۂ فردا اک بے
حقیقت شے ہے۔ اور فردا! حسین فردا!! حامل ہے
عشرتِ جاوید کی
اس کے چاند کی کرنوں جیسے دلکش خواب۔ معصوم
بے قرار آرزوئیں اور شاعر کے خیال کے مانند خوبصورت پَر
دیکھ کر یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ خوابوں کے جزیرے کی ایک پُر اسرار
ہستی ہے۔ روش روش۔ کُنج کُنج سیر کرتی ہوئی اور
شادابیٔ حیات سے لبریز
جیسے زندگی کے تار پر مسرت نغموں کی لے سے جھنجھنا رہے ہوں
یا فردوس کی لطافتوں سے تخلیق شدہ تقدس مآب
روح! جسے کوئی ناگفتہ بہ خلش دہر کی کثافتوں پر کھینچ لائی ہو

عالم برزخ کی کیف آفرینی میں بھی کسی احساس تلخی سے شرمندۂ سکون ہو
مالک اکس کی مقدس روح ہے یہ سرسراتی ہوئی حسین تتلی

افکارِ پریشاں

چاند اپنی بلندیوں سے کچھ نیچے اُتر کر چمک رہا ہے
کائنات کی وسعتوں پر اُس کی ضیا رنے اک ہالہ کر لیا اور
سرو وشمشاد کے پتوں سے چاندنی چھن چھن کر گزر رہی ہے
جیسے آسمانی بلندیوں کا کوئی مقدس فرشتہ برکاتِ الٰہی
کی بارش کر رہا ہو

لیکن زندگی کی لامتناہی کاوشیں اور کالبجر آلام
مجھے شکستہ پا کر چکے۔ روح گردشِ آفاق کی شاکی ہے اور سبزۂ
بیگانہ کی طرح اک پرسکون ماحول کی متلاشی۔ کائنات کی ان
دلفریبیوں میں میرے لئے کشش باقی نہیں رہی

داور! میں چونکتے ہوئے پکار اُٹھتی ہوں انسانی
ہستی کیا ہے؟ اک ایسا خوابِ پریشاں جس کی کوئی تعبیر
نہیں یا اگر ہے بھی تو مشتمل بہ جرعاتِ مصائب۔

اِکے دُکے بادل خیاباں خیاباں چکر کاٹ رہے ہیں

ہیں جیسے سفید سفید پروں والے بادل اُڑ رہے ہوں..... میرے
خیالات ماضی کی وادیوں میں آوارہ خرام ہیں اور خوابہائے
پریشاں پردۂ سیمیں پر متحرک تصاویر کی طرح نمایاں

حیاتِ فانی کی چند بھولی بسری کہانیاں مجھے
یاد آ رہی ہیں جب روح پرور نغموں کی لَے سے روح ہر وقت
جھنجھناتی رہتی - کائنات ستارۂ سحر کی طرح درخشاں تھی
اور اُس کی ہر صبح طلوعِ حیاتِ نو

لیکن اب اچشمکِ برق سے بھی تیز رفتاری سے
وہ وقت گزر چکا ہے - اُس کی یادِ شیریں میری وجہِ زندگی
ہے اور صدائے بازگشت اُس کا مطمحِ نظر

مالک! یہ ہستی انسان کون سے افکارِ پریشاں کا
مرکب ہے جنھیں حل کرنے سے میری ناقص عقل عاری ہے
اور روح پر کسی پوشیدہ سے احساس سے گمشدگی طاری

اُس محوِ پرواز طائر کی طرح! جس کے بازوؤں
کا خون، خوفِ صیاد سے منجمد ہو گیا ہو

پرنٹر

آدم علی غلام حسین نے عباسی لیتھو پریس فریئر روڈ کراچی میں چھاپا اور

پبلشر

آصف جاہ کاروانی ایم اے نے انجمن ترقی اردو،

رام باغ کراچی سے شائع کیا۔

ملنے کا پتا

انجمن ترقی اردو، رام باغ کراچی

۱۹۲ ۸۹۱۵۶۳۶۲

DUE DATE

۳۲۶۵۶

Date	No.	Date	No.